Phone 80800

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

اگست و ستمبر 1964

بیاد قائداعظم

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی - نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو لا محالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد۔ دکن۔ کے طلباء کے سوال کے جواب میں اگست ۱۹۴۱ء میں فرمایا)

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

قیمت مشترکہ پرچہ - دو روپے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدل اشتراک

پاک و ہند سے — سالانہ — دس روپے

غیر ممالک سے — سالانہ — ایک پونڈ

اس پرچہ کی قیمت

پاک و ہند سے

دو روپے

ٹیلیفون نمبر

۸۰۰۸۰

خط و کتابت کا پتہ

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی غربی گلبرگ - لاہور

جلد ۱۷ | اگست و ستمبر ۱۹۶۴ء | نمبر ۸ و ۹

فہرستِ مضامین

لمعات		۲
تبویب القرآن	(محترم پرویز صاحب)	۱۶
باب المراسلات	(۱) اورنگزیب کی روزی کا سلسلہ (۲) اظہارِ خیال کا حق (۳) الیکشن کی وبا	۱۸
البغضۃ باہمی	(طلوعِ اسلام کنونشن)	۲۳
بچوں کا صفحہ	(قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا چاہیئے)	۳۹
واقعۂ افک (حضرت عائشہؓ)	(علامہ تمنا عمادی صاحب)	۴۳
اکبر کے الحاد میں علماء کا حصہ	(محترم ابو الخیر کشفی صاحب)	۶۱
سبدِ گل	(۱) قدامت پرستوں کی عقل سے دشمنی (۲) اسلامی رہبانیت (۳) آہ بیچاروں کے اعصاب پر عورت سوار (۲)	
حقائق و عبر	(۱) امتناعِ شراب (۲) مسلم نیشنلزم (۳) توہم پرستی کی ترویج و اشاعت	۷۹
اسلام میں قانون سازی کا اصول	(مولانا محمد تقی امینی)	۸۹
مسئلہ طلاق پر ملوکیت کا اثر	(پروفیسر محمد رفیع اللہ صاحب)	۹۸
مجلسِ اقبالؒ		۱۱۰
نقد و نظر		۱۲۱
ھد أبیہ	(ایک مختصر تنقیدی جائزہ) علامہ سفیان الجعلی (ترجمہ سید نصیر شاہ صاحب)	۱۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟

تاریخ بتاتی ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کے عہد سعید میں مدینہ کے یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضورؐ کے استفسار پر بتایا گیا کہ اس دن بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات حاصل ہوئی تھی چنانچہ اس یوم مسرت کی یاد تازہ رکھنے کے لئے شکرانِ نعمت کے طور پر وہ اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور رسالتمآبؐ نے یہ سنا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ بھی اس تقریب میں یہودیوں کا ساتھ دیں اور عاشورہ کا روزہ رکھا کریں کیونکہ کسی قوم کی غلامی سے نجات محض اسی قوم کے لئے وجہ مسرت نہیں بلکہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے باعث شرف و سعادت ہے۔ حضور رسالتمآبؐ نے یہ واضح کر دیا کہ غلامی ایک ایسی لعنت ہے جو قوموں کو شرفِ انسانیت سے محروم کر دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا کہ

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

۱۴ اگست کو ہماری حیاتِ ملی میں یوم آزادی کی حیثیت حاصل ہے۔ اور اسدن پاکستان کے

طول و عرض میں آزادی کا جشن مسرت بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے یہ جشن آزادی ہمیں سے مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں اپنے اپنے ہاں یوم آزادی کی تقریب اسی ذوق مسرت سے سر انجام دیتی ہیں۔ اس دن کے یاد میں ان کے ہاں بھی فضا میں مسرت کے نغمے گونجتے ہیں۔ خوشی کے شادیانے بجتے ہیں فضا جشن چراغاں سے بقعہ نور بن جاتی ہے۔ اور مسرت کے ان ہنگاموں میں چاروں طرف یہ احساس کار فرما ہوتا ہے کہ اس دن ان کی غلامی کی زنجیریں ٹوٹی تھیں۔ ان کی بے بسی اور محکومی کے بندھن کٹ گئے تھے۔ انہیں دوسروں کے استبداد سے نجات ملی تھی اور اب وہ اس قابل ہیں کہ اپنی مملکت کے دائرے میں اپنی مرضی کے آئین و قوانین رائج کر سکیں۔ اپنی منشاء کے مطابق احکام کا نفاذ عمل میں لا سکیں۔ ان کی آزادی پر خارج سے کوئی پابندی عائد نہ ہو۔

یہاں یہ بڑا اہم اور بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری آزادی کا مفہوم اور منشا و مقصود بھی یہی تھا؛ یعنی کیا ہم جو جشن آزادی کی تقریب مناتے ہیں یہ بھی آزادی کے اسی تصور کی آئینہ دار ہے جو دیگر اقوام و ملل میں رائج ہے۔ پاکستان کو آزادی حاصل کئے سترہ برس ہو گئے۔ کہا جائیگا کہ اتنے سالوں کے بعد اس انوکھے سوال کو اٹھانے کی ضرورت کیا پڑی ہے؟ ہم نے کئی سال تک اپنی آزادی کی ایک جنگ لڑی۔ اس جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ اور اپنی آزاد مملکت میں زندگی بسر کرتے اتنے سال گذر گئے۔ اور اب یہ سوال کہ ہم نے پاکستان مانگا تھا؟ کیوں اٹھایا جائے۔

بیشتر اس کے کہ ہم اپنی آزادی کے منشاء مقصود کے اہم اور بنیادی سوال کی طرف آئیں ہم تمہیداً اس کی وضاحت کریں گے کہ بعض وجوہات کی بنا پر یہ سوال ہمارے ہاں بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حصول پاکستان کے بعد اکثر و بیشتر ان عناصر نے بھی پاکستان میں ڈیرے ڈال دیئے جو تحریک پاکستان کے دوران اس کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے رہے تھے۔ انہوں نے پاکستان کو اپنی جائے پناہ بنایا اور جہاں اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ کر ایسے پروپیگنڈے کی اشاعت شروع کر دی جو مایوسی اور ذہنی انتشار کا باعث ہو۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم نے کم و بیش دس برس تک حصول پاکستان کے لئے مسلسل جد و جہد کی۔ لیکن جب یہ حاصل ہو گیا تو ہم نے ایک دوسرے سے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ہم نے پاکستان مانگا کیوں تھا؟ اس مطالبے سے ہمارا مقصد کیا تھا؟ اور ذہنی انتشار کی یہ کیفیت یہاں تک پہنچ گئی کہ چاروں طرف سے عجیب و غریب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایک نے کہا ارے صاحب! پاکستان تو ہندو کی تنگ نظری کا نتیجہ ہے اگر وہ کشادہ دلی سے کام لیتے تو پاکستان کے بننے اور بنانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ گویا پاکستان کی بنیاد کسی مثبت جذبہ

پر نہیں تھی۔ یہ محض ہندو کی تنگ نظری کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف سے آواز آئی کہ حضرت! یہ انگریز کی ایک چال تھی۔ وہ چاہتا یہی تھا کہ یہاں سے ایسی حالت میں رخصت ہو کہ ہندو اور مسلمان آپس میں ہمیشہ لڑتے رہیں۔ چنانچہ اس نے پاکستان کا تصور پیدا کیا اور مسٹر جناح کو اس مقصد کے لئے آگے بڑھا دیا۔ گویا مسٹر جناح انگریز کے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے آلۂ کار تھے۔ یہ اس شخص کے متعلق کہا جا رہا ہے جس کے متعلق اس کے بدترین دشمنوں کو بھی یہ اعتراف تھا کہ وہ کسی قیمت پر کسی کے ہاتھ بک نہیں سکتا۔

یہ لوگ تو خیر تھے ہی تحریک پاکستان کے مخالفین۔ تحریک پاکستان کی کامیابی کو انہوں نے اپنے لئے ایک گہرے زخم کے طور پر قبول کیا اور اس کی کسک سے انہیں آج تک چین نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے یہ حضرات جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں وہ ان سے غیر متوقع نہیں تھا۔ لیکن ہمیں جس چیز سے افسوس ہوا وہ یہ تھی کہ ایک ایسے ممتاز شخص کا قلم بھی نامحسوس طور پر ایسے پروپیگنڈے میں معاون ثابت گیا جس کا ان عناصر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہماری مراد سابق چیف جسٹس آف پاکستان محترم محمد منیر صاحب سے ہے جنہوں نے پچھلے دنوں اخبارات میں (دو قسطوں میں) ایک اہم مقالہ شائع کیا۔ محترم منیر صاحب اس باؤنڈری کمیشن کے رکن تھے جس نے پاکستان اور بھارت کے مابین سرحدوں کا فیصلہ کیا۔ اور اپنے اس مقالہ میں انہوں نے کمیشن اور اس کے فیصلہ سے متعلق بڑے اہم اور مضمر حقائق کا انکشاف کیا۔ ان کا یہ مقالہ بڑا ہی معلومات افزا اور حقیقت کشا تھا لیکن پتہ نہیں اپنے مقالہ کے آخر میں وہ کیوں ایک غیر متعلقہ سی بات کہہ گئے۔ ان سطور میں انہوں نے لکھا تھا کہ قیام پاکستان تک کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت کی صورت اختیار کرے گا۔

آیئے ہم دیکھیں کہ ہمارے جن قائدین نے پاکستان کا تصور دیا اور اس تصور کو ایک محسوس پیکر عطا کر دیا، کیا ان کے ذہن میں اس کے متعلق کچھ تھا یا نہیں۔ ہماری مراد علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی عظیم المرتبت شخصیتوں سے ہے جن کے فکر و بصیرت اور حسنِ تدبر سے ہمیں یہ مملکت ملی۔ ظاہر ہے کہ مملکت پاکستان کے بارے میں ان سے بڑھ کر کسی دوسرے کی شہادت قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم علامہ اقبال کے پیش کردہ تصور پاکستان کو سامنے لائیں گے۔

دین اور مذہب کا فرق

یہاں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اقبالؒ پاکستان میں اسلام کو "مذہب" کی حیثیت سے نہیں بلکہ "دین" کی حیثیت سے نافذ العمل دیکھنا چاہتے تھے۔ "مذہب" (جسے عام طور پر Religion کہہ کر پکارا جاتا ہے) خدا اور بندے کے درمیان

ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے جسے انسان کی تمدنی، عمرانی، سیاسی، معاشی زندگی سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس پرائیویٹ تعلق کو ایک عیسائی اپنے گرجے میں، ایک پارسی اپنے آتشکدہ میں، ایک ہندو اپنے مندر میں (اور (اسی خیال کے مطابق) ایک مسلمان اپنی مسجد میں ـــــ بلکہ یوں کہیئے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے کسی کونے میں یا پہاڑ کے کسی غار میں ـــــ اپنے طور پر قائم کرسکتا ہے۔ ایسا کرنے سے مذہب کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی عملی تمدنی زندگی میں اپنے اپنے ہاں کی سیاست کے مطابق کام کرتے ہیں۔ یہ تو ہے مذہب کا تصور۔ لیکن اس کے برعکس "دین" خدا اور بندے کے درمیان کسی پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کا ایک ضابطہ اور نظام حیات ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔

اقبالؒ اور خطبہ الہ آباد

چنانچہ ۱۹۳۰ء میں جب اقبالؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کا مطالبہ پیش کیا تو اس میں فرمایا۔

> ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقے میں مرکوز کر دیا جائے ... حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظام حکومت ہے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا تھا جب کسی روسو کے دل میں ایسے نظام کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جس کی رُو سے انسان، جمادات اور نباتات کی طرح پابگل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا اور کبھی اس سے۔ بلکہ وہ ایک ایسی بلند و بالا ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت اسوقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو۔ (اور یہ چیز اپنی آزاد مملکت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی)۔ اسی لئے میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی ریاست قائم کی جائے۔

نیشنلسٹ علماء کا تصورِ آزادی

ہمارے ہاں کے اُسوقت نیشنلسٹ علماء جن کے سرخیل مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) تھے۔ ان کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کا تصور وہی تھا جس کے بارے میں اقبالؒ نے کہا تھا کہ

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان ہے آزاد

چنانچہ مولانا مدنی (مرحوم) کے ایک اخباری بیان کا جواب دیتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ

مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے لیکن آزادی سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں، بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقت ور بن جائے۔ اس لئے میں کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پہ ہوں جن پہ انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے۔ لیکن اگر آزادیٔ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادیٔ وطن پہ ہزار مرتبہ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا۔ بولنا۔ روپیہ صرف کرنا۔ لاٹھیاں کھانا۔ جیل جانا۔ گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہوں

قائداعظمؒ

علامہ اقبالؒ کے بعد قائداعظمؒ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کے قیام کی جدوجہد میں سالارِ کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے پاکستان اور اس کے نظامِ مملکت کے بارے میں بعینہٖ وہی تصور تھا جو علامہ اقبالؒ کے ذہن میں تھا۔ چنانچہ تحریکِ پاکستان کی جدوجہد میں وہ شروع سے آخر تک اسی حقیقت کو دہراتے چلے گئے۔ مثلاً سنہ ۱۹۴۵ء میں فرنٹیر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں انہوں نے فرمایا:

پاکستان سے مطلب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے ہم نے صرف اپنی آزادی حاصل نہیں کرنی۔ ہم نے اس قابل بھی بننا ہے.

کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ۔

---

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایڈورڈس کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے الگ الگ نظریۂ زندگی کی وضاحت فرمائی بلکہ اس طرح دین اور مذہب کے فرق کو بھی نمایاں کر کے رکھ دیا ۔ انہوں نے فرمایا ۔

> ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں ۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے ۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہ نمائی کرتا ہے ۔ ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں

آل انڈیا مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس لاہور میں، جہاں پاکستان کی قرارداد منظور ہوئی، تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا ۔۔۔

> میرے لئے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی، اسلام اور ہندوستت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں "مذہب" نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں، اور اس بناء پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ۔ یاد رکھئے ہندو اور مسلمان، مذہب کے ہر معاملے میں جدا گانہ فلسفے رکھتے ہیں ۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے، یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں ۔ دو ایسی قوموں کو ایک نظام سلطنت میں یکجا کر دینا باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کر دے گا جو اس ملک کی حکومت کے لئے وضع کیا گیا ہے ۔

ان تصریحات کے ساتھ لاہور کے تاریخی اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دس کروڑ مسلمانوں نے اسے اپنے ملی نصب العین اور تقاضائے دین و ایمان کی حیثیت سے نہ صرف قبول کر لیا بلکہ اس کے لئے آخری خندق تک لڑ مرنے کے لئے کارزار سیاست میں نکل آئے

اس قرارداد کو قومی نصب العین کی صورت اختیار کئے ابھی ڈیڑھ سال نہیں گذرا تھا کہ اگست ۱۹۴۱ء میں قائداعظمؒ حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء نے بھی ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران میں طلباء نے قائداعظم سے بڑے اہم اور بنیادی سوالات کئے جن کے جوابات قائداعظم نے ایسے متعین، دو ٹوک اور نکھرے ہوئے انداز میں دیئے کہ مملکت پاکستان کے حصول کا منشاء و مقصود پوری طرح واضح ہو کر سامنے آگیا۔ اورینٹ پریس کے نمائندے نے اس ملاقات کی جو رپورٹ مرتب کی اس کے ضروری حصے سوالات و جوابات کی صورت میں بعینہٖ درج ذیل ہیں۔

سوال۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب۔ جب میں انگریزی میں مذہب (Religion) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن، خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک، مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعوے ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب

قرآنی مملکت

کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں، بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔"

قائداعظمؒ کا اپنے متعلق اعترافانہ اعلان یہ ہے کہ "میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعوٰی ہے"۔ لیکن اسلامی نظام کی اصل و بنیاد کے متعلق جو کچھ انہوں نے سمجھا اور کہا ہے ذرا غور کیجئے کہ دینیات میں مہارت کے مدعی کتنے ہیں جو اسلام کے متعلق اس گہرائی تک پہنچ سکتے ہیں؟

سرِ خدا کہ زاہد و عابد بکس نگفت — در حیرتم کہ دُردکشاں از کجا شنید؛

اشتراکیت

سوال۔ اس سلسلے میں اشتراکی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؛

جواب۔" اشتراکیت. بالشویت یا اسی قسم کے دیگر سیاسی اور معاشی مسالک، درحقیقت اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب نہیں پایا جاتا؛

کتنی بڑی حقیقت ہے جسے چند الفاظ میں سمٹا کر رکھ دیا گیا ہے۔ روس کی کمیونزم ہو یا مغرب کی ڈیماکریسی۔ یہ سب اسلامی نظام کے مختلف اجزاء کی بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ جب تک ان میں سے انسانی تصورات کو نکال کر ان کی جگہ "خدا" شامل نہ کر دیا جائے یہ مسلک نوعِ انسانی کے لئے کبھی ایسے منفعت بخش نتائج پیدا نہیں کرسکتے جو اسلامی نظام کا خاصہ ہیں۔

اب اس کے بعد وہ تیسرا سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے، جو ہمارے نزدیک اس موضوع پر مقطع کا بند ہے۔ غور سے سنئے۔

سوال۔ اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؛

جواب:" اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ، قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی، اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں، اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔"

صرف قرآن کی اطاعت

آپ اس جواب کے ایک ایک فقرہ پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس حقیقت کو کس قدر غیر مبہم، مختصر لیکن جامع الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی مملکت اسلامی کس طرح بنتی ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم لا الٰہ الا اللہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔ ان الحکم الا للہ۔ اس کے سوا کسی اور کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ کسی اور کو اس کا حق ہی حاصل نہیں کہ کسی سے اپنا فیصلہ اور حکم منوائے۔

لیکن خدا تو ایک اَن دیکھی، مطلق ذات کا نام ہے۔ اس کی اطاعت کی عملی شکل کیا ہوگی؛ کیسے معلوم

کیا جائے گا کہ فلاں معاملہ میں اس کا حکم اور فیصلہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "اس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔" اسی لئے اس کا ارشاد ہے کہ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۷/۳) "جو کچھ تمہاری طرف خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا کسی اور سرپرست کا اتباع مت کرو"۔ بالفاظ دیگر "اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے"۔ اسی کے احکام ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ یہی چیز کفر اور ایمان کا خط امتیاز قرار پاتی ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴) جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ تو یہی لوگ ہیں جنہیں کافر کہا جاتا ہے۔

قائد اعظم کی اس دو ٹوک وضاحت سے مملکت پاکستان کا بنیادی دستور، نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور اس میں کسی ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ان کے نزدیک مملکت پاکستان کے آئین و قوانین کی اساس قرآن کریم کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ اسی کتاب کو ہمارے قوانین کا سرچشمہ اور احکام کا ماخذ قرار پانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ہمارے نظام مملکت کے لئے کوئی دوسرا ماخذ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کی عظمت اور جامعیت ان کے دل و دماغ پر کس حد تک اثر انداز تھی اس کا اندازہ ان کے اکثر بیانات سے سامنے آئے گا۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں عید کی تقریب سعید پر قوم کے نام اپنے پیغام میں انہوں نے فرمایا۔

قرآن کی جامعیت

اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"بحر اطلانٹک سے لے کر گنگا تک، ہر جگہ قرآن کو ضابطۂ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوع انسان کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں اور وہ قوانین منشائے خداوندی کے مظہر ہیں"۔

اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن، مسلمانوں کا ضابطۂ اخلاق ہے جو مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو۔

یا بدن کی صفائی کا۔ اجتماعی واجبات کا مسئلہ ہو یا انفرادی حقوق کا۔
ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے
فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہیئے اور اس طرح اپنا
مذہبی پیشوا آپ بن جانا چاہیئے۔

یہ تھی قرآن کریم کی عظمت اور جامعیت جس پر قائدِاعظم کا ایمان تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کی الگ پارٹیاں بھی تھیں۔ ان میں نسلی اور علاقائی تعصب بھی موجود تھا۔ خود پاکستان کو جن دو بڑے بڑے خطوں پر مشتمل ہونا تھا یعنی مغربی اور مشرقی پاکستان، ان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔ لسانی اور نسلی نقطۂ نگاہ سے بھی ان دونوں خطوں کے رہنے والوں میں کوئی وجۂ اشتراک نہ تھی۔ سوال یہ تھا کہ ان تمام

مسلمانوں میں وجۂ جامعیت

وجوہ اختلاف کے باوجود وہ کونسی قدرِ مشترک تھی، جو ان ناہمدگر متضاد عناصر کو ایک نقطہ پر جمع کر سکتی تھی! اس کا جواب قائدِاعظم کے الفاظ میں سنیئے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (دسمبر ۱۹۴۳ء۔ واقع کراچی) میں پہلے خود ہی یہ سوال اٹھایا کہ

> وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد خود ہی اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا کہ

> وہ بندھن۔ وہ رشتہ۔ وہ چٹان، وہ لنگر۔ خدا کی کتابِ عظیم، قرآن کریم ہے۔ مجھے یقینِ محکم ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔
>
> ایک خدا۔ ایک رسول۔ ایک کتاب۔ ایک امت۔

حصولِ پاکستان کے بعد

مطالبۂ پاکستان کے مقصود کی وضاحت کرتے ہوئے قائدِاعظم نے حصولِ پاکستان تک مختلف مواقع پر جو کچھ ارشاد فرمایا اس کے چند گوشے نکھر کر آپ کے سامنے آگئے۔ اب حصولِ پاکستان کے بعد کا معاملہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور وہی حلقے جو حصولِ پاکستان کے مقاصد کو عوام کی نگاہوں سے اوجھل کرنے کے درپے ہیں، یہ کہتے سنائی

دیں گے کہ حصولِ پاکستان سے قبل بے شک قائدِ اعظم نے یہی کچھ کہا تھا لیکن اس کے حصول کے بعد انہوں نے اپنے خیالات میں تبدیلی کر لی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ نہ صرف قائدِ اعظم کی عظمتِ کردار پر ایک گھناؤنی الزام بازی ہے بلکہ واقعات و حقائق کے سراسر منافی بھی۔ حصولِ پاکستان کے بعد بھی قائدِ اعظم کے موقف میں فدہ بھر تبدیلی نہیں آئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت انہوں نے کراچی کے خالق دینا ہال میں افسرانِ حکومت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

> پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے، لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا، بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشو و نما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں۔

پاکستان کا آئین

حصولِ پاکستان کے بعد سب سے اہم مسئلہ آئینِ مملکت کی ترتیب و تدوین کا تھا۔ اسلام کے نام پر ایک نئی مملکت نقشۂ عالم میں اپنا مقام پیدا کر چکی تھی اور ایک دنیا کی نگاہیں یہ دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں کہ اس مملکت میں کس قسم کا آئین متشکل ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کے کروڑوں انسان گوش بر آواز تھے کہ اس سلسلے میں کارفرمایانِ مملکت کی طرف سے کوئی واضح اور دو ٹوک اعلان سُن سکیں۔ فروری ۱۹۴۸ء میں قائدِ اعظم نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اہلِ امریکہ کے نام ایک پیغام براڈ کاسٹ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

> پاکستان کونسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیسی ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار، جمہوری انداز کا آئین ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل اور دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئینِ پاکستان کے

مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پہ عائد ہوتے ہیں،

تھیاکریسی نہیں ہوگی

ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دیدی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) "خدائی مشن" کو پورا کریں۔

مذہبی پیشوائیت کی طرف سے مخالفت کیوں؟

قائداعظمؒ کا یہ اعلان مذہبی پیشوائیت کے لئے پیام موت سے کم نہیں تھا۔ یہاں اسلامی حکومت کے قیام سے یہ حضرات اس خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ جب یہاں اسلامی نظام کا قیام عمل میں لائیگا تو شرعی احکام و قوانین اور فیصلوں کے لئے مختار ناطق وہی قرار پائیں گے۔ لیکن قائداعظم نے دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ قرآنی نظام ایسے کسی گروہ کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتا۔ یہیں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا تحریک پاکستان کی مخالفت میں کیوں اغیار کے آلہ کار بن کر آگے بڑھے تھے اور ان کی مخالفت کا یہ سلسلہ دراز آجتک کیوں نئے نئے فتنے بکھیرتا چلا آرہا ہے۔ سترہ برس سے یہاں اسلامی نظام کے نقاب میں جو کچھ کہا اور کہا جا رہا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہاں وہ تھیاکریسی قائم ہو جس میں اقتدار اعلیٰ مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جس میں انسانیت کا گلا بُری طرح سے گھٹتا ہے۔ ان حضرات نے مذہب کے نام پہ جو انتشار پیدا کر رکھا ہے۔ اگر ملت کو اس سے نجات مل جاتی تو اس کا سفینۂ حیات کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا۔ اسی پیدا کردہ انتشار کا نتیجہ تھا کہ ہمارے عوام حصول پاکستان کے مقاصد سے دور ہٹتے چلے گئے اور ان کے لئے یہ سمجھنا تک مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے پاکستان مانگا کیوں تھا۔

ذہنی انتشار کی یہ کیفیت بپا تھی کہ (Days to Remember) کے عنوان سے محترم جسٹس منیر کا وہ مقالہ شائع ہوا جس ذکر ہم شروع میں کر چکے ہیں۔ محترم منیر صاحب نے اس مقالہ کے آخر میں کہا ہے کہ تشکیل پاکستان کے وقت تک کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگی۔

جسٹس منیر صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ بعینہٖ یہی بات بہت پہلے مودودی صاحب نے ان الفاظ میں کہی تھی کہ

"مسلم لیگ کے کسی ریزولیشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں کی کسی تقریر میں آجتک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمحِ نظر اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔"

(ترجمان القرآن۔ محرم ۱۳۶۰ھ)

ہندو سب کچھ جانتے تھے

یہ تو ہیں پاکستان کے بارے میں ہمارے ہاں کی بھانت بھانت کی بولیاں۔ یعنی ان حضرات کے نزدیک پاکستان کے ایک اسلامی مملکت قرار پانے سے متعلق نہ تو ہمارے رہنماؤں کے ذہن میں کوئی خیال موجود تھا اور نہ ایسا کوئی اعلان کیا گیا۔ رہنماؤں کے اعلانات تو آپ کے سامنے آچکے۔ اب یہ دیکھئے کہ تحریکِ پاکستان کے مقاصد اس قدر متعین اور واضح تھے کہ ہر ہندو رہنما تک ان سے بخوبی آگاہ تھا اور اسے اس میں ادنیٰ شک و شبہ نہیں تھی کہ مسلمان پاکستان کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں اور وہ یہ سب کچھ اس وقت سے بخوبی جانتے تھے جب کہ پاکستان کا مطالبہ پہلی بار دنیا کے سامنے آیا چنانچہ یکم نومبر ۱۹۴۱ء کو لدھیانہ میں "اکھنڈ بھارت کانفرنس" کے صدارتی خطاب میں مشہور کانگرسی رہنما مسٹر منشی نے اپنی تقریر کے دوران میں یہ کہا تھا کہ

"تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سُن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے (HOME LANDS) بنائیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکیں اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک خطۂ ارض ہو گا جہاں اسلامی حکومت قائم ہو گی"

(ٹریبون - ۲/۱۱/۴۱)

منافقت کا الزام

محترم جسٹس منیر صاحب کی تائید کرتے ہوئے نئی نسل کے ایک نوجوان نے پاکستان ٹائمز میں لکھا۔

پاکستان کی تشکیل کا اصل مقصد تو سیاسی اور معاشی اقتدار حاصل کرنا تھا لیکن اس مطالبہ کو عوام کے سامنے جذباتی اور مذہبی سوال بنا کر پیش کیا گیا

تاکہ اس سے یہ عوامی تحریک بن سکے۔

(پاکستان ٹائمز - ۱۲ جولائی ۱۹۶۳ء)

یہ تصور بھی نہیں آسکتا تھا کہ اقبالؒ و جناحؒ کے عطا کردہ پاکستان میں رہتے ہوئے کوئی "پاکستانی" ان جلیل القدر شخصیتوں پر ایسا الزام عائد کرسکے گا جس کی جرأت غیروں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس الزام کی زد سب سے زیادہ قائداعظمؒ پر پڑتی ہے کہ انہوں نے سیاسی اور معاشی اقتدار کے حصول کے لئے مطالبہ پاکستان کو جذباتی اور مذہبی نقاب پہنایا اور اصل غرض و غایت سب کی نگاہوں سے اوجھل رکھی۔

سنیئے کہ جناح کے بارے میں غیروں کی رائے کیا تھی۔ مشہور کتاب (VERDICT ON INDIA) کے مصنف بیورلی نکلس نے آج سے کچھ عرصہ پہلے اپنے ایک بیان میں کہا تھا۔

> میں نے بیس سال پہلے پاکستان کی حمایت میں قلم اٹھایا اور ایک دنیا میری مخالف ہوگئی لیکن میں اپنے پاکستان کی حمایت میں جو کچھ لکھا تھا اس کی صداقت پر مجھے اس لئے یقین تھا کہ میں مسٹر جناح کو جانتا تھا۔ اور اگر پاکستان کی نئی نسل کے دل میں پاکستان کی محبت کم ہورہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جناح سے واقف نہیں۔

یہ ہے جناح کی عظمت کردار کی جیتی جاگتی شہادت غیروں کی بارگاہ سے!

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں | گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ہماری قومی زندگی کا المیہ اب یہی نہیں رہا کہ نئی نسل جناح سے واقف نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر دلدوز حادثہ یہ ہے کہ اس نئی نسل کے افراد اس پر یہ الزام عائد کرنے سے نہیں چوکتے کہ وہ ساری عمر منافقت سے کام لیتا رہا اور سیاسی و معاشی اقتدار کے لئے عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلتا رہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

لیکن نئی نسل کو جناح کی شخصیت سے اسقدر بے خبر رکھنے کا ذمہ دار کون؟ اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں کہ ہم نے نئی نسل کو [illegible] کی یہ عظیم حقیقت سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ اس عظیم مملکت کا حصول جناح کی درخشندہ سیرت و کردار کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔ یہ اس کی سیرت و کردار کی بلندی تھی جو انگریز اور ہندو کی منظم قوتوں کو شکست پر شکست دیتی چلی گئی۔ اور جب تک پاکستان کا نام زندہ ہے جناح کا نام بھی تاریخ کے صفحات پر جگمگاتا رہے گا۔ جناح زندہ و پائندہ ہے اور ہمیشہ درخشندہ و تابندہ رہیگا۔

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ | عشق ہے اصل حیات، مرگ ہے اس پر حرام

تبویب القرآن (پرویز)

میں نے مئی ۱۹۷۲ء کے طلوعِ اسلام میں اپنی مصروفیت کے ضمن میں لکھا تھا کہ منجملہ دیگر امور میں نے تبویب القرآن کی تدوین کا کام بھی ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس کے بعد میں بیمار ہو گیا اور میرے پیشِ نظر کام رک گئے۔ اس دوران میں تبویب القرآن کے سلسلہ میں مجھے مختلف مقامات سے جو خطوط موصول ہوئے یا جن احباب سے زبانی گفتگو ہوئی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ تبویب القرآن (جسے انگریزی میں (codification) کہا جائیگا) لغات القرآن اور مفہوم القرآن کے سلسلہ ہی کی ایک اہم کڑی ہے جو ان کتابوں کی طرح کئی نسلوں تک کارآمد ہو سکتی ہے۔ قرآنی فکر سے عام طور پر دلچسپی رکھنے والوں نے کہا کہ جب قرآن کریم کے سمجھنے کا طریق یہ ہے کہ موضوعِ پیشِ نظر کے متعلق قرآن کریم کے تمام مقامات بیک وقت سامنے ہوں، تو یہ مقصد تبویب القرآن ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔ تبویب القرآن سے یہ مقامات سامنے رکھ لئے جائیں۔ لغات القرآن سے متعلقہ آیات کے الفاظ کے معانی متعین کر لئے جائیں اور مفہوم القرآن سے ان کا مطلب سمجھ لیا جائے تو بات صاف ہو جائے گی۔ ایک ماہرِ قانون دوست نے کہا کہ قانون سازی کے سلسلہ میں اس قسم کے (code) کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ اس وقت بڑی دقت یہ ہے کہ جب کوئی قانونی مسئلہ زیرِ غور ہو تو یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کا اس باب میں کیا حکم ہے۔ مجوزہ تبویب سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ ایک اور بالغ نظر کرم فرمانے جو میرے قرآنی کاموں سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں، کہا کہ ہماری مشکل یہ ہے کہ جب کوئی شخص آ کر کہتا ہے کہ اسلام کا یہ حکم ہے تو ہمارے لئے اس کی توثیق یا تردید دشوار ہو جاتی ہے۔ اگر اس قسم کا (codified Quran) ہمارے پاس ہو تو ہم چند ثانیوں میں خود اپنا بھی اطمینان کر سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی بتا سکتے ہیں کہ اسلام اس باب میں کیا کہتا ہے ان کی یہ بھی تجویز ہے کہ اسے انگریزی زبان میں بھی مرتب کیا جائے اور اس کے ساتھ مفہوم القرآن کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔ غرضیکہ میری بیماری کے دوران میں اور اس کے بعد اس سلسلہ میں اس قسم کی متعدد آراء اور مشورے موصول ہوتے رہے جن سے اس کام کی اہمیت میری نگاہوں میں اور بھی بڑھ گئی۔ چنانچہ میں نے دوبارہ کام کے قابل ہونے کے بعد سب سے پہلے تبویب القرآن کے خاکہ کو از سرِ نو مرتب کیا اور اس کے مطابق کام کی ابتدا کر دی۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ کام بھی بہت بڑا ہے اور اس کے لئے کافی وقت اور محنت کی ضرورت ہے۔ بالخصوص جب کہ اسے اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی مرتب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ میں نے جس خاکہ کے مطابق تبویب شروع کی ہے، اس کا انداز یہ ہے کہ ایک عنوان کے تحت

ذیلی عنوانات مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور ہر ذیلی عنوان کے نیچے قرآن کریم کی متعلقہ آیات کا اشارۃً مفہوم دیکر آخر میں اس کا حوالہ دیدیا جائے (آیات کا پورا مفہوم، مفہوم القرآن سے متعین کیا جا سکیگا)۔ مثال کے طور پر، اسلام ایک عنوان ہے جس کے تحت حسب ذیل، ذیلی عنوانات آتے ہیں۔

۱۔ لفظ اسلام کے لغوی معنی اور مفہوم۔

۲۔ کائنات کی ہر شے مسلم یعنی قوانین خداوندی کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔

۳۔ انبیائے سابقہ اسلام ہی کا پیغام لے کر آتے تھے۔

۴۔ نبی اکرمؐ نے اسلام کو اس کی مکمل شکل میں پیش فرمایا۔

۵۔ اسی اسلام پر عمل پیرا جماعت، امتِ مسلمہ، تھی۔

۶۔ اسلام کی خصوصیات کیا ہیں؟

۷۔ اسلامی نظام کے بنیادی اجزاء اور خصائص کیا ہیں؟

۸۔ مسلمانوں کی تاریخ۔

اس کے بعد ایک ذیلی عنوان کو لیجئے (مثلاً) اسلام کی خصوصیات۔ اس کے نیچے اس قسم کے اشارات آئیں گے

(۱) گروہوں، نسلوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری بنا دیا۔

(2 : 2) ؛ (2 : 213) ؛ (10 : 19)

(۲) اسلام کسی خاص نسل یا گروہ کے لئے مخصوص نہیں۔ اس کے دروازے ہر انسان کے لئے کھلے ہیں۔

(2 : 62) ؛ (2 : 81-82) ؛ (2 : 111-12) ۔ وغیرہ۔

اس طرح ہر خصوصیت سے متعلق آیات کے حوالے درج کئے جائیں گے۔

جہاں تک "احکام" کا تعلق ہے، وہ اس تبویب میں بھی آجائیں گے لیکن اس کے علاوہ انہیں تفصیلاً ایک الگ مستقل تصنیف کی شکل میں بھی شائع کیا جائیگا۔

۳۔ چونکہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے یہ کام بہت بڑا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ ایسی شکل میں مرتب ہو جو زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔ اس لئے میں تمام اہل الرائے احباب سے درخواست کرونگا کہ وہ اس باب میں اپنے مشورہ سے مجھے مستفید فرمائیں۔ تاکہ اگر اس خاکہ میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو ابھی سے کر لی جائے ورنہ جب اس کام پر محنت صرف ہو جائے گی تو اس وقت اس میں رد و بدل مشکل ہو جائے گا۔

باب المراسلات

۱- اورنگ زیب کی روزی کا سلسلہ

ایک صاحب لکھتے ہیں:- میں نے تاریخ کی ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ اورنگ زیب قرآن شریف کی کتابت کر کے اپنی روزی کماتا تھا اور اس پر گذارہ کرتا تھا۔ یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

طلوع اسلام

ہماری کتب تواریخ میں کونسی بات عجیب سی نہیں ہوتی جو اس ایک بات پر تعجب آئے! سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اورنگ زیب قلعہ دہلی کے محلات میں رہتا تھا۔ اس کا گھرانا بہت بڑا تھا۔ ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ملازمین کا لشکر تھا۔ کیا ان سب کا گذارہ اورنگ زیب کی کتابت کی کمائی پر ہوتا تھا؟ یا یہ صورت تھی کہ ان کا لاکھوں روپے ماہوار کا خرچ تو حکومت کے خزانے سے ادا ہوتا تھا اور اورنگ زیب اپنی روٹی کتابت کر کے کھاتا تھا؟ سوچئے کہ وہ روزانہ کتنی کتابت کر لیتا ہوگا اور اس کی اجرت اسے کس قدر ملتی ہوگی! کیا اس اجرت پر اس کی دال روٹی چل سکتی تھی؟

اب اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر غور کیجئے۔ اگر اورنگ زیب واقعی ایسا کرتا تھا تو اس سے زیادہ غیر ذمہ دار کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ سارے ہندوستان پر اس کی حکومت تھی۔ امور مملکت اس قدر اہم اور پیچیدہ تھے کہ اس کی تمام تر توجہات ان کے حل کے لئے درکار تھیں۔

کروڑوں انسانوں کی جان، مال، عزت، آبرو کی حفاظت اس کی ذمہ داری میں داخل تھی۔ ملک میں سیاسی خلفشار ایسا تھا کہ اسے اپنی عمر کے آخری پچیس سال دکن میں میدان جنگ میں گذارنے پڑے اگر وہ ان تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر اپنا وقت کتابت میں صرف کرتا تاکہ اس سے دال روٹی کے لئے پیسے کمائے تو ایسے شخص کو تخت حکومت پر نہیں، کسی مسجد کے حجرے میں بیٹھے ہونا چاہیئے تھا!

اس مسئلہ کا تیسرا پہلو ایسا ہے جو سب سے اہم ہے۔ اورنگ زیب کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ وہ بڑا دیندار۔ متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا۔ (ممکن ہے وہ ایسا ہی ہو) اور یہ چیز ہمارے ذہنوں میں راسخ ہے کہ یہ بات تورع اور پرہیزگاری کے خلاف ہے کہ بادشاہ یا اولی الامر میں سے کوئی اور اپنی ضروریات کے لئے حکومت کے خزانے سے کچھ لے۔ یہی وجہ ہے کہ جن بادشاہوں کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کے متعلق اس قسم کی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں کہ فلاں ٹوپیاں بنا کر گذارہ کیا کرتا تھا اور فلاں قرآن شریف کی کتابت کرکے۔ حالانکہ یہ خیال ہی سرے سے باطل ہے کہ متقیوں اور پرہیزگاروں کے لئے حکومت کے خزانے سے کچھ لینا جائز نہیں۔ ہمارے سامنے سب سے پہلے خود نبی اکرمؐ کی مثال موجود ہے۔ حضورؐ کی دعوئے نبوت سے پہلے کی زندگی کے متعلق یہ معلوم ہے کہ آپ تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن دعوئے نبوت کے بعد جب آپ کا سارا وقت اس مشن کے لئے وقف تھا یہ کہیں سے متحقق نہیں کہ آپ نے اپنی معاش کے لئے کوئی کام کیا ہو۔ مکہ کی زندگی کے متعلق تو اس باب میں تفصیل سے کچھ معلوم نہیں لیکن مدینہ کی زندگی میں یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ کی معاشی ضروریات مملکت کی طرف سے پوری ہوتی تھیں۔ یہی کیفیت خلفائے راشدین کی تھی۔ ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ جو شخص اپنی زندگی ایسے بلند مقاصد کے لئے وقف کردے اسے اگر روٹی کے فکر سے آزاد نہ کیا جائے تو یہ چیز اُن بلند مقاصد کے حصول کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ اسلئے کہ اُسے جو وقت ان مقاصد کی کامیابی کے لئے صرف کرنا تھا وہ اُسے حصول معاش کی نذر کر دینا پڑے گا اور مشن کے نقطۂ خیال سے یہ سودا جس قدر خسارے کا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ یہ بات صرف امور مملکت تک محدود نہیں۔ ان کے علاوہ بھی جو شخص اپنا وقت ملت کی بہبود کے کاموں کے لئے وقف کردے، ملت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے کفاف کی ذمہ داری لے۔ اور یہ بات ذرا بھی قابل اعتراض نہیں کہ وہ اس کفاف کو قبول کرلے۔

لیکن ہمارے ہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے یہاں اگر کوئی شخص اپنا کمانا کھاتا ہے۔ قوم

سے کچھ نہیں لیتا۔ اور اپنے آپ کو قوم کے کاموں کے لئے وقف کر دیتا ہے تو بجائے اس کے کہ قوم اسے فکر معاش سے فارغ کر دے۔ الٹا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ قوم کے حوالے کر دے! یعنی وہ اپنا سب کچھ قوم کے حوالے کر دے اور اس کے بعد خود بھوکا مرے! قائداعظم کے خلاف ایک اعتراض یہی کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا سب کچھ قوم کو کیوں نہیں دے دیتے۔ نیز یہ بھی اعتراض ہوتا تھا کہ وہ اپنی ذات پر اتنا خرچ کیوں کرتے ہیں! یعنی دوسرے لوگ جو اپنا کاروبار کرتے تھے اور قوم کو پوچھتے تک نہ تھے ان کے متعلق کوئی محاسبہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اپنی ذات پر کس قدر خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اس شخص (قائداعظم) نے چونکہ اپنے آپ کو قومی کاموں کے لئے وقف کر رکھا تھا اس لئے (گویا) قوم کو حق حاصل ہو گیا تھا کہ وہ ان کے متعلق ہر وقت محاسبہ کرتی رہے۔ اگر قوم کوئی فنڈ اکٹھا کر کے ان کی تحویل میں دے دیتی تو اس کے متعلق اسے محاسبہ کرنے کا حق حاصل تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی کمائی میں سے اپنے آپ پر خرچ کرتے تھے تو قوم کو کیا حق حاصل تھا کہ ان پر محاسبانہ تنقید کرے۔ قوم کو تو ان کا شکر گذار ہونا چاہیئے تھا کہ وہ قوم سے کچھ نہیں لیتے اور قوم کا اس قدر کام کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں کا ادبیر کہہ چکا ہے اس قوم کا باوا آدم ہی نرالہ ہے۔ یہاں یہ ذہنیت عام ہے۔ جو بھی کوئی شخص قومی کاموں کے لئے آگے بڑھا، انہوں نے اسے ہدفِ تنقید بنایا۔

اظہارِ خیال کا حق

ایک صاحب لکھتے ہیں، آج کل یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ اظہارِ خیال کی آزادی انسان کا بنیادی حق ہے جس پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس بات کو ہمارا مذہبی طبقہ بڑی شد و مد سے پیش کرتا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ طبقہ اپنے فریقِ مخالف کو اظہارِ خیال کا حق کبھی نہیں دیتا۔ ان میں آپس میں اسی بات پر سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔ پھر یہ اس حق کی حمایت کے علمبردار کیسے بنتے ہیں

طلوعِ اسلام

اظہارِ خیال کی آزادی واقعی انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ مثلاً قرآن نے جب کہا ہے کہ باطل پرستوں کے معبودوں کو گالی نہ دو۔ تو اس نے اظہارِ خیال پر ایک پابندی لگائی ہے۔ یعنی اظہارِ خیال کا انداز شریفانہ

ہونا چاہیئے۔ اس کے متعلق آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ پابندی اظہار خیال پر نہیں۔ اظہار خیال کے انداز و اسلوب پر ہے۔ شریفانہ اور مصلحانہ انداز سے اظہار خیال انسان کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔

یہ آپ نے بالکل درست کہا ہے کہ اظہار خیال کی آزادی کی تائید مذہب پرست طبقہ کی طرف سے تعجب انگیز ہے۔ ان حضرات کی تو ساری تاریخ اظہار خیال کے خلاف جنگ و جدال کی داستان ہے۔ ان کے فرقوں کی باہمی لڑائیاں اسی خوں ریز داستان کی شفق آلود کڑیاں ہیں۔ ایک مسئلہ خلق قرآن کو لیجئے۔ صدیوں تک، بغداد کی گلیوں میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہتا رہا۔ محض اس لئے کہ ایک فریق دوسرے فریق کو اس کا حق نہیں دیتا تھا کہ وہ اس کے عقیدے کے خلاف اپنے عقیدہ کا اظہار کرے۔ جونہی کسی نے کسی ایسے خیال کا اظہار کیا جو ان کے خیال کے خلاف ہوا سے انہوں نے مرتد قرار دیدیا۔ اور چونکہ یہ عقیدہ وضع کر لیا گیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے اس لئے اس کا خون مباح ہوگیا۔ آج بھی ان کی یہی حالت ہے۔ جس سے انہیں اختلاف ہوا اس کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور اس طرح معاشرہ میں اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ یہ تو غنیمت ہے کہ اس وقت زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں اس لئے معاملہ صرف کفر سازی اور عوام کی اشتعال انگیزی تک رہتا ہے۔ کل کو اگر (خدا نہ کرے) اختیارات ان کے ہاتھ میں آگئے تو پھر دیکھئے گا کہ جن امور کو آپ بنیادی حقوق انسانیت قرار دیتے ہیں، ان کے ہاتھوں ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ آپ اظہار خیال کا حق دے چکے ہیں، یہ کسی کو جینے کا حق بھی نہیں دیں گے۔ ان کے ضابطہ قوانین میں حق کا تصور ہی نہیں۔ ہر بات ان کی خوشنودی مزاج پر منحصر ہوتی ہے۔

الیکشن کی وبا

ایک صاحب لکھتے ہیں :- الیکشن آ رہے ہیں اور ان کی وجہ سے ملک میں اختلاف انگیزی اور تفرقہ بازی کی وبا عام ہونی شروع ہوگئی ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف مصروف نبرد آزمائی ہے۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف آمادۂ جنگ و جدال ہے۔ کیا یہ الیکشن کسی طرح ختم نہیں کئے جا سکتے!

طلوعِ اسلام

یہ وبا الیکشنوں کی وجہ سے نہیں ہے۔ الیکشن صرف دیوانے کیلئے "ہو" کا کام دیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ اور ہے۔ ۱۹۶۲ء کے دستور پاکستان جو چند کام کی باتیں تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ ملک کی سیاسی پارٹیوں کا وجود اور "پرسنل لا" کے سلسلہ میں مذہبی فرقہ بندیوں کی تمیز ختم کر دی گئی تھی یہ اقدام بڑا مستحسن تھا۔ لیکن آپ کے ہاں کی اسمبلیوں نے خیر سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سیاسی پارٹیوں کو پھر سے وجود میں لے آئیں اور عائلی قوانین میں مذہبی فرقہ بندی کو (جسے قرآن کریم بہ نصِ صریح شرک قرار دیتا ہے) پھر سے اجاگر کر دیا اور اس پر مسرت کے شادیانے بجائے کہ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔ یہ تمام سر پھٹول۔ یہ جنگ و جدل۔ یہ نبرد آزمائیاں اور اختلاف انگیزیاں سب سیاسی پارٹیوں کے وجود کا فطری نتیجہ ہیں۔ اسلام نے وحدتِ انسانیت کا اصول دیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اپنی عدیم المثال تعلیم و تربیت سے امت واحدہ پیدا کی تھی۔ اس میں نہ سیاسی پارٹیوں کی لعنت تھی نہ مذہبی فرقوں کا شرک۔ ایک امت، ایک مرکز، ایک ضابطہ قوانین۔ ہماری مذہبی پیشوائیت نے اس امت کو بہتر فرقوں میں تقسیم کر دیا اور سیاسی مفاد پرستوں نے پارٹیوں کی طرح ڈال دی۔ قرآن کریم نے سیاسی پارٹیوں کو حکمتِ فرعون کی دسیسہ کاری سے تعبیر کیا تھا۔ اب کہا جا رہا ہے کہ اسلام جمہوریت کا مذہب ہے، اور جمہوریت کا نظام سیاسی پارٹیوں کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ یاد رکھئے۔ جو نظام امت کے اختلافات کے بغیر چل نہیں سکتا وہ کبھی اسلامی نظام نہیں ہو سکتا۔ جس جمہوریت میں پارٹیوں کا وجود لاینفک ہو وہ اسلام کا نظام نہیں۔ مغرب کی لادینی جمہوریت کا نظام ہے۔ اسلامی نظام کا مقصد قوانین خداوندی کا عملی نفاذ ہوتا ہے اور یہ مقصد پوری امت کی مشاورت سے حاصل ہوتا ہے۔ جس جگہ بھی الیکشن سے مقصود کسی خاص پارٹی کا برسرِ اقتدار آنا ہوگا وہاں تفرقہ بازی اور اختلاف انگیزی ناگزیر ہوگی۔ مقصد، نظام خداوندی کا قیام سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ امت میں کس طرح وحدت پیدا ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام :- میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔
آج ہی کارڈ لکھ کر نرخنامہ اشتہارات طلب فرمائیے۔

رابطۂ باہمی

طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونشن

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز!

طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونشن جس کا اپریل میں انعقاد ملتوی کیا گیا تھا، اب بفضلِ ایزدی اکتوبر ۱۹۷۶ء میں لاہور میں منعقد ہوگی۔ مشروطہ تاریخیں ۱۵ لغایت ۱۸ (اکتوبر) — جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار، مقرر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں جملہ تفاصیل و ہدایات حسبِ معمول ادارہ کی طرف سے بزموں کے نام چٹھی میں عنقریب بھیجی جائیں گی۔

۲۔ سابقہ کنونشن میں احباب بالعموم جمعرات کی شام کو تشریف لاتے تھے اور جمعہ کی صبح پہلا سیشن شروع ہوتا تھا تجربہ نے بتایا ہے کہ اس طرح تحریک سے متعلق امور پر بحث و تمحیص اور فیصلوں کے لئے وقت کم ملتا ہے، چنانچہ اب یہ طے کیا گیا ہے کہ جملہ احباب، جمعرات کے دن قبل از دوپہر تشریف لے آئیں۔ دوپہر کے کھانے میں شریک ہوں۔ اس کے بعد پہلا اجلاس اس روز سہ پہر کے وقت، اور اگلا اجلاس شب کے وقت ہو جائے، یہ اجلاس بڑے اہم ہوں گے کیونکہ ان میں تحریک کے متعلق ضروری فیصلے کئے جائیں گے۔ رخصت حسبِ معمول اتوار کے دن دوپہر کے کھانے کے بعد ہوگی۔

۳۔ حسبِ سابق، رہائش کیمپ میں ہوگی، بزموں کے اراکین کے علاوہ کوئی صاحب کیمپ میں قیام پذیر نہیں ہو سکیں گے۔ غیر از اراکین حضرات اپنی رہائش کا آپ انتظام کریں گے اور کنونشن کے صرف کھلے اجلاس میں شریک ہو سکیں گے۔

۴۔ اراکین میں سے جو صاحب کنونشن میں کوئی تجویز پیش کرنا چاہیں وہ اپنی تجویز اپنے نمائندہ کی وساطت سے حسبِ ذیل پتہ پر ۳۰ ستمبر ۱۹۷۶ء سے پہلے پہلے بھیج دیں، مرزا محمد خلیل صدر طلوعِ اسلام کنونشن کمیٹی۔ ۲۵/ بی۔ گلبرگ۔ لاہور۔ کنونشن میں وہی تجاویز پیش کی جا سکیں گی جن کی اجازت صدر کنونشن کمیٹی کی طرف سے دی جائے

۵۔ جو احباب کنونشن میں کوئی مقالہ پڑھنا چاہیں، وہ اپنے مقالہ کی ایک نقل ۲۰ ستمبر تک ناظم ادارہ طلوع اسلام کو بھیج دیں۔ ادارہ کو مقالہ میں مناسب ترمیم و تنسیخ کا حق ہوگا اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی مقالہ کنونشن میں نہیں پڑھا جا سکیگا۔

۶۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے نہ سیاسی پارٹی سے۔ نہ ہی یہ ملک کی عملی سیاست میں حصہ لیتا ہے۔ یہ صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے کی ایک اجتماعی کوشش ہے اس لئے کنونشن میں سرکاری ملازمین بھی شرکت کر سکتے ہیں۔

۷۔ طلوع اسلام کنونشن آپ احباب کا اپنا اجتماع ہے۔ اس میں میزبان بھی آپ ہی ہوتے ہیں اور مہمان بھی آپ ہی۔ اس لئے اس کی کامیابی کے لئے آپ کا تعاون ضروری ہے۔ آپ اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں اور اس میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔ اس سلسلہ میں آپ احباب کے مشورے شکریہ کا موجب ہونگے۔ والسلام

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۔ لاہور۔

(بزمہائے طلوع اسلام کی ماہانہ رپورٹیں)

لاہور۔ بزم کے احباب عزم و ہمت، اتحاد اور یک جہتی سے سرگرم کار ہیں۔ ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر گذشتہ کارگذاریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور آئندہ کے لئے نیا پروگرام طے پاتا ہے

سالہائے سابق کی طرح اس سال بھی بزم نے جشن میلاد النبیؐ کی تقریب سعید کو شایانِ شان طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ یہ ۲۲۔ جولائی کا مبارک دن تھا۔ اراکین بزم صبح ہی صبح پرویز صاحب کے مکان پر پہنچنے شروع ہو گئے اور آتش فشاں دھوپ میں سارا دن جشن کی تیاریوں میں منہمک رہے۔ آغاز شب کے ساتھ ہی جب آسمان پر ستاروں کی انجمن آراستہ ہو رہی تھی، ۲۵ بی۔ گلبرگ رنگا رنگ کے برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ شہر کے مختلف گوشوں سے ممتاز احباب اور معززین کی آمد شروع تھی۔ بزم کے ارکان انہیں باری باری صدر دروازہ پر خوش آمدید کہہ رہے تھے اور صحن کے سبزہ زار میں ایک پاکیزہ سی مجلس ترتیب پا رہی تھی۔ حسب سابق نماز عشاء کے بعد تلاوت قرآن پاک سے اس تقریب سعید کا آغاز ہوا۔ چونکہ ابھی پرویز صاحب کی توانائی پورے اعتدال پر نہیں آئی۔ اس لئے ناظم ادارہ محترم صفدر سلیمی نے ان کی جگہ رسم افتتاح کا فریضہ سرانجام دیا اور بڑے مختصر اور موزوں الفاظ میں جشن میلاد کی عظمت و اہمیت واضح کرتے ہوئے بارگاہِ

رسالتمآب میں نذر عقیدت پیش کی۔ اس مختصر سے خطاب کے بعد سیالکوٹ کے مشہور مغنی آتش نوا محترم محمد نذیر فاروقی نے جو خصوصی دعوت پر تشریف لائے تھے مولانا جامی کی نعت رسول سے آغاز کلام کیا۔ اور نغمہ آرائی کی مخصوص دلکشی سے فضا میں وجد و مسرت کا کیف برسنے لگا۔ مولانا جامی کی نعت کے بعد کلام اقبال کی باری تھی۔ نذیر فاروقی کو خود بھی اقبال سے دیرینہ ایک والہانہ عقیدت ہے۔ اقبال کے نغمے اس کے لبوں پر رقص کر رہے تھے اور اس پیغام کے شیدائی جذب و مستی کی بے خودی میں جھوم جھوم کر داد تحسین دے رہے تھے۔ بزم کی طرف سے اس تقریب پر ایک دعوت عشائیہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے کی میزیں بڑی دیر سے اس بزم شوق کے سرمستوں کا انتظار کر رہی تھیں چنانچہ یہ محفل کچھ دیر کھانے کے لئے اُٹھ گئی اور عشائیہ سے فراغت کے بعد پھر اسی حسن نظم و ضبط سے ترتیب پا گئی۔ قریب نصف شب تک نور و نکہت کیف بار رہی اور اس کے بعد اسے آئندہ کے وعدہ کے ساتھ بادل ناخواستہ ختم کرنا پڑا۔

۱۴ راگست کو بزم نے پاکستان کے یوم آزادی کی تقریب پر، وائی۔ایم۔سی۔اے ہال میں مفکر قرآن محترم پرویز صاحب کی تقریر کا اہتمام کر رکھا تھا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے جب شیخ سراج الحق صاحب کی صدارت میں اس تقریب کا آغاز ہوا تو نہ صرف یہ کہ ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا بلکہ ہال سے باہر شامیانوں کے سائے میں جو مزید نشستیں ترتیب دی گئی تھیں وہ بھی اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کر رہی تھیں۔ اجلاس کا آغاز مرزا رحیم بخش صاحب نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس کے بعد مرزا خلیل صاحب نے کلام اقبال سے لذت گوش کا سامان پیدا کیا۔ محترم صفدر سلیمی نے اپنی مختصر سی تعارفی تقریر میں تحریک پاکستان اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالی۔ جس کے بعد مفکر قرآن مائیک کے سامنے تشریف لائے۔ ان کے خطاب کا موضوع تھا ــــــ

ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟

مفکر قرآن کے خطاب کا موضوع ہمیشہ اسی طرح الفاظ کے لحاظ سے سادہ لیکن اپنے مفہوم و معانی کی وسعت اور گہرائی کے اعتبار سے انتہائی اہم اور حقیقت کشا ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص دلنشین انداز میں آہستہ آہستہ آغاز خطاب کیا۔ بتدریج ان کے الفاظ میں ایک تناؤ اور آواز میں ایک جوئے نغمہ خواں کی سی روانی پیدا ہوتی گئی۔ پاکستان کا نعرہ کیوں بلند کیا گیا تھا؟ دس کروڑ مسلمانوں کی اس راہ میں جہد مسلسل کا مقصود و منتہیٰ کیا تھا؟ پاکستان کی ابھرتی ہوئی نئی نسل تاریخ

کے ان جیتے جاگتے حقائق سے بے نصیب ہوتی جا رہی تھی اور اندر ہی اندر وہ کھیل کھیلا جا رہا تھا جو نہ صرف ملّت کے شاہین بچوں کو تحریکِ پاکستان کے مقاصدِ عالیہ سے محروم کر دے بلکہ ملّت کے جن فضیلت مآب زعماء نے اس تحریک کو بہ حسن و کمال آغاز سے انجام تک پہنچایا ان کی عظمت کو بھی شکوک و شبہات سے داغدار کر دیا جائے۔

بزم کی عقابی نگاہیں ایک مدت سے ان فتنوں کو سر اٹھاتے اور آگے بڑھتے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنے خونِ جگر کے سرمایہ سے تحریکِ پاکستان کو شب و روز ایک نئی آب و تاب عطا کی تھی اور آج وقت آ گیا تھا کہ وہ آگے بڑھے اور یومِ آزادی کے جشنِ مسرت کی اس تقریب پر ضربِ کلیم سے کام لے اور پسِ پردہ سازشوں کے اس کھیل کو زیر و زبر کر کے رکھ دے۔

چنانچہ پرویز صاحب نے آزادی کی اہمیت واضح کرنے کے بعد تفصیلاً یہ بتایا کہ حصولِ پاکستان کے مقاصد کو عوام کی نگاہوں سے اوجھل کرنے اور بانیانِ تحریک کی گراں مایہ شخصیت کی عظمت کو داغدار کرنے کے لئے کس قسم کی مہم مختلف گوشوں سے جاری ہے اور پھر انہوں نے حضرت اقبالؒ و جناحؒ کے اپنے خطبات اور تحریروں کے حوالہ سے اس حقیقت کو واضح کیا کہ تحریکِ پاکستان کے یہ جلیل القدر ترجمان اور قائد صاف اور دو ٹوک الفاظ میں پاکستان کے منشاء و مقصود کی وضاحت کرتے تھے۔ اور کھلے کھلے الفاظ میں قوم کو بتاتے رہے کہ پاکستان کے حصول سے مقصد یہ ہے کہ اس آزاد مملکت میں قرآنی نظامِ حکومت قائم ہو۔ یہ مقصد اس قدر نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آ گیا تھا کہ دس کروڑ مسلمانوں نے پوری ہم آہنگی سے اس مطالبہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور بالآخر کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے ملتِ پاکستانیہ کو خبردار کیا کہ اگر خدانخواستہ تحریکِ پاکستان کے مخالفین اپنی اس مذموم مہم میں کامیاب ہو گئے اور نئی نسل اپنے قائد اعظم اور تحریکِ پاکستان کے عظیم مقاصد کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی تو اس کے نتائج پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہوں گے۔ پرویز صاحب نے حالات کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تحریکِ پاکستان کے بارے میں ایک مستند تاریخ مرتب کرنے پر زور دیا۔

مفکرِ قرآن کے اس بصیرت افروز خطاب نے حاضرین کو بہت سے اہم تاریخی حقائق سے روشناس کیا اور غلط فہمیوں کے بہت سے نقاب تار تار کر کے رکھ دیئے۔

بزم کے زیرِ اہتمام پرویز صاحب کا ہفتہ واری درسِ قرآن کریم ہر اتوار کو صبح ساڑھے نو بجے باقاعدگی سے جاری ہے۔

ملتان — بزم کے ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے میسرز ایم شاہ محمد اینڈ سنز موٹر سپیئر پارٹس مینوفیکچررز اینڈ ڈیلرز بیرون پاک گیٹ ملتان کے ہاں منعقد ہوتے ہیں ۔۔۔ گرد و نواح کے احباب اسی پتہ پر بزم سے رابطہ قائم کریں ۔۔۔

بوریوالہ — محترم پرویز صاحب کے کامیاب اپریشن اور بحالیٔ صحت کی اطلاعات یہاں کے احباب کے لئے وجہ اطمینان و مسرت ثابت ہوتی رہیں ۔ ان کی یہ شدت آرزو تھی کہ خدا اس مفکر قرآن کو صحت کی خوشگواریوں سے مالا مال رکھے ۔ بار بار دعا یہی کر لبوں پہ آتی رہی ۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کی رحمتوں کے صدقے ہمارے سالار کارواں کی بحالیٔ صحت کی آرزوئیں شرفِ اجابت پا گئیں ۔ حالیہ اجلاس میں مفہوم القرآن کا مطالعہ سولھویں پارے کے اختتام تک پہنچ گیا ہے ۔

پاکستان کے نئے دارالسلطنت (اسلام آباد) میں

بزم کا قیام

زیر تعمیر اسلام آباد کے مختلف گوشوں میں بکھرے ہوئے قرآنی احباب کے رابطہ باہمی کی سعی و کاوش بالآخر کامیاب ہو گئی ۔ یہ احباب ایک اجلاس کی صورت میں جمع ہوئے اور بزم کے قیام کا مسئلہ حسن و خوبی سے طے پا گیا ۔ محترم ملک غلام سرور بزم کے نمائندہ مقرر ہوئے ہیں ۔ احباب حسب ذیل پتہ پر ان سے رابطہ قائم کریں ۔۔۔

ملک غلام سرور ۔ کوارٹر نمبر ۵۰ ۔ سیکٹر نمبر G-6/1-3 ۔ اسلام آباد ۔

اعلان توثیق — ادارہ طلوع اسلام، اسلام آباد میں قائم شدہ اس بزم کی توثیق کرتا ہے اور دعا کرتا ہے ان احباب کی منظم سعی و کاوش سے مملکت پاکستان کے نئے دارالسلطنت کی فضا قرآنی فکر کی روشنی سے جگمگا اٹھے ۔

(ادارہ)

قرآنی فیصلے

(جلد اول)

، ہماری زندگی کے مختلف معاملات کے بارے میں خدا کی کتاب کا فیصلہ کیا ہے اس سے متعلقہ استفسارات اور ان کے جوابات طلوعِ اسلام میں شائع ہوتے رہتے ہیں، ۱۹۵۳ء میں ان کا مجموعہ قرآنی فیصلے کے نام سے شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اس کے نئے ایڈیشن کے لئے تقاضوں کی بھرمار رہی۔ دس گیارہ سال کی اس مدت میں استفسارات ان کے جوابات کا یہ سلسلہ طلوعِ اسلام میں برابر ترقی پذیر رہا۔ اور اب انہیں یکجا کر کے حسبِ ضرورت ایک نئی ترتیب دی گئی ہے اور اندازہ ہے کہ یہ تین جلدوں میں سما سکے گا۔

اس کی جلد اول کے چند عنوانات ملاحظہ فرمایئے۔

۱ — نماز اور صلوٰۃ میں کیا فرق ہے۔
۲ — نمازوں کی تعداد۔ رکعات۔ اوقات۔ ارکان وغیرہ کیسے متعین کئے جائیں گے۔
۳ — رسول اللہ کس طریق سے نماز پڑھتے تھے؟
۴ — مختلف فرقوں کی نمازوں میں فرق کیوں ہے۔
۵ — روزہ کے احکام کیا ہیں۔ تراویح کتنی پڑھنی چاہیئے۔ لیلۃ القدر کی رات کون سی ہوتی ہے
۶ — حج سے کیا مقصود ہے۔
۷ — قربانی کی حقیقت کیا ہے؟
۸ — زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟
۹ — نکاح کا طریقہ کیا ہے؟
۱۰ — طلاق۔ مہر۔ عدت وغیرہ کے احکام کیا ہیں۔
۱۱ — کیا عورتوں کو حکومت میں شریک کیا جا سکتا ہے؟
۱۲ — عقیقہ۔ ختنہ۔ منگنی۔ رخصتی۔ تجہیز و تکفین کے شرعی احکام کیا ہیں؟
۱۳ — حرام اور حلال کیا ہے؟
۱۴ — کیا شراب حرام ہے؟
۱۵ — ریس میں شرط لگانا۔ برج کھیلنا۔ لاٹری ڈالنا کیسا ہے۔
۱۶ — موسیقی (گانا سننے) کے متعلق کیا حکم ہے؟
۱۷ — کیا تصویر کھنچوانا ناجائز ہے؟
۱۸ — سینما دیکھنا چاہیئے یا نہیں؟
۱۹ — شب برات کیوں منائی جاتی ہے؟

کتاب کی عام اشاعت کے پیشِ نظر اس کا سستا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے،

ضخامت ۲۳۲ صفحات — پیس بورڈ کا کور — قیمت صرف سوا تین روپے

نوٹ:۔ قرآنی فیصلے۔ جلد دوم بھی شائع ہو گئی ہے۔ تفصیل صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرمایئے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی گلبرگ۔ لاہور

بچوں کا صفحہ

قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا چاہیئے

فریدہ صبح کی نماز پڑھ کر حسب معمول قرآن مجید کھول کر بیٹھ گئی اور بڑی خوش الحانی سے قرأت شروع کر دی۔ اس کا روز کا یہ معمول تھا کہ آدھا سیپارہ صبح کے وقت پابندی سے پڑھتی۔ اس نے چھ سال کی عمر میں ہی سارا قرآن پڑھ لیا تھا اور اب جبکہ اس کی عمر بارہ برس کی تھی وہ اس دوران میں اسکی بیسیوں دفعہ دہرائی کر چکی تھی اس لئے اب اسے قرآن کی عبارت پڑھنے پر بڑا عبور حاصل ہو گیا تھا۔

خدا نے اس کو آواز بھی بہت رسیلی عطا کی تھی اس لئے جب وہ اپنی مخصوص آواز میں قرأت کرتی تو گھر والوں کو بڑی خوشی ہوتی۔ اس کی امی ابا بڑے فخر سے اپنے عزیزوں اور ملنے والوں سے اس کی اس تلاوت قرآن کا ذکر کرتے اور سب جاننے والے اس کی تعریف کرتے۔ فریدہ کو یہی بتایا گیا تھا کہ قرآن پڑھنے سے بڑا ثواب ہوتا ہے۔ جتنی دفعہ اسے ختم کروگی اس سے دگنا ثواب پاؤگی چنانچہ فریدہ باقاعدگی کے ساتھ

قرآن پڑھتی رہتی۔ آج جب وہ تلاوت کر رہی تھی تو اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی امی نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے فریدہ کے وہ ماموں کھڑے تھے جو ایک عرصے سے پاکستان سے باہر کسی ملک میں مقیم تھے اور اب اس طرح بے خبری میں آ گئے تھے۔ ظاہر ہے اس سے سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں۔ انہی باتوں میں فریدہ کی خوش الحانی اور تلاوت قرآن کا بھی ذکر آ گیا۔ ماموں جان نے کہا ہاں میں نے بھی دروازے سے باہر قرآن پڑھنے کی آواز سُنی تھی ماشاء اللہ فریدہ بیٹی کو قرآن مجید بڑی اچھی طرح پڑھنا آتا ہے بہت خوشی کی بات ہے۔ لیکن بیٹی! یہ تو بتاؤ تمہیں قرآن کی آیات کا مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے۔ ظاہر ہے روز پڑھتی ہو تو سمجھ کر ہی پڑھتی ہو گی۔ ماموں کے اس سوال پر فریدہ نے پہلے تو ایک منٹ تامل کیا پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ماموں جان! مجھے قرآن پڑھنا آتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے نا! اس کے مطلب کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتی۔ فریدہ کے اس جواب پر اس کے ماموں کہنے لگے۔ اچھا ایک بات بتاؤ بیٹی! کیا تم نے قرآن کے علاوہ کبھی کوئی ایسی کتاب پڑھی ہے جس کا مطلب تمہاری سمجھ میں نہ آتا ہو اور تم بغیر سمجھے اسے پڑھتی چلی جاؤ۔ فریدہ نے

جلدی سے کہا۔ نہیں ماموں جان کتابیں تو ہم جو بھی پڑھتے ہیں، چاہے وہ اردو کی ہوں یا انگریزی کی یا کسی اور زبان کی سب سمجھ کر ہی پڑھتے ہیں کیونکہ بغیر سمجھے کتاب پڑھنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا۔ شاباش! فریدہ بیٹی! ماموں جان بولے۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا کہ کسی کتاب کو بغیر سمجھے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ بتاؤ کہ کیا یہ کتاب جسے قرآن کہتے ہیں اور جو خدا تعالےٰ کی کتاب ہے جو سب کتابوں کی سردار اور رہنما ہے بغیر سمجھے پڑھی جائے گی؛ تم خود ہی سوچو۔ اس طرح اسے بغیر سمجھے' اس کے متعلق بغیر کچھ جانے پڑھتے چلے جانے سے تمہیں یا کسی اور کو کیا فائدہ ہوگا۔ چاہے تم اسے ہزار بار پڑھ جاؤ۔ اگر تمہیں یہ ہی معلوم نہ ہو کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے جنہیں تم پڑھتی رہتی ہو۔ تو محض الفاظ کو دہراتے رہنے سے کیا حاصل ہوسکتا ہے؛

فریدہ بڑی ذہین بچی ہے۔ ماموں جان کی اس بات کو سمجھ گئی۔ اور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔ یہ بات بالکل درست ہے آپکی کہ اللہ میاں کی اس کتاب کے الفاظ دہراتے رہنے سے ہم اس کا مطلب تو نہیں سمجھ سکتے: پھر ہمیں کیا حاصل ہو سکتا ہے!

ہاں بیٹی یہی وجہ ہے کہ ساری عمر قرآن پڑھتے رہنے کے باوجود ہم اس کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں، ماموں جان نے افسردگی کے ساتھ کہا۔ قرآن کو ہم پڑھتے ہیں لیکن نہ اس کو سمجھتے ہیں نہ اس کا مطلب

جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں جس کے لئے خدا نے اپنی یہ آخری اور مکمل کتاب اُتاری۔ ماموں جان کی ان باتوں نے فریدہ کے دل پر بہت اثر کیا اور وہ بولی، ماموں جان! اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں قرآن سمجھنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں انہوں نے کہا اس کے لئے تمہیں عربی زبان سیکھنا ہوگی۔ جس طرح تم اردو اور انگریزی پڑھتی ہو اسی طرح عربی زبان پڑھنا شروع کر دو۔ چند دنوں کی محنت سے تم عربی زبان کی طرف مائل ہو جاؤگی اور رفتہ رفتہ اس قابل ہو جاؤگی کہ قرآنِ حکیم کی آیات کو سمجھ سکو۔

ہماری بیٹی! یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف اپنے بندوں کو اس لئے دیا ہے کہ وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھیں بے سمجھے نہ پڑھا کریں اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کی بتائی ہوئی آیتوں کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

(ثریا عندلیب)

صحیح اسلام کو سمجھنے کے لئے

طلوع اسلام اور پرویز صاحب کی مطبوعات

کا

مطالعہ کیجئے

علامہ تمنا عمادی

واقعۂ افک (حضرت عائشہؓ)

معاندین اسلام یعنی منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے اہل بیت کی سیرت طیبہ کو (معاذ اللہ) داغدار کرنے کے لئے جو مذموم کوششیں کی ہیں، واقعۂ افک کو (جسے درحقیقت فسانۂ افک کہنا چاہیئے) خاص اہمیت حاصل ہے۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ خود مسلمان اس افسانہ کو واقعہ قرار دے کر ہزار برس سے اسے دہرائے چلا آرہا ہے اور کبھی اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اس نشتر کی زد کتنی دور اور گہری جا کر پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکا ذکر چند روایات میں آگیا ہے اور وہ روایات ہماری کتب احادیث میں داخل ہو گئی ہیں۔ علامہ تمنا عمادی مدظلہٗ نے اپنے مخصوص انداز میں ان روایات سے پردے اٹھا کر حقیقت کو بے نقاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ افسانہ کس طرح وضع کیا گیا۔ طلوع اسلام میں ضمناً اس بات کا ذکر پہلے آچکا ہے لیکن اب اس کا تفصیلی تجزیہ ملاحظہ فرمایئے۔ (طلوع اسلام)

اس واقعہ مکذوبہ کے متعلق جتنی روائتیں خصوصاً آپ کو صحاح میں ملیں گی وہ سب کی سب ابن شہاب زہری ہی سے ملیں گی اور ابن شہاب زہری کا حال میں پوری تفصیل کے ساتھ طلوع اسلام میں لکھ چکا ہوں۔ وہ منافقین دکذابین کے نادانستہ ہی سہی مگر مستقل ایجنٹ بنے ہوئے تھے۔ اکثر گمراہ کن اور خبیث حدیثیں آپ کو انہیں سے مروی ملیں گی یہ روایت کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے اپنے ایک صاحبزادے کا نام "عبدالعزیٰ" رکھا تھا

(نعوذ باللہ من ذلک) انہیں سے مروی ہے۔ جمع قرآن بعہد صدیقی۔ اور نقل مصاحف بعہد عثمانی کی روایت صحاح میں انہیں سے ہے۔ پھر انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن کسی چیز پر بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ یعنی وہ چمڑی کھال چھال پتھر وغیرہ پر بھی نہیں۔ سورہ نجم کی تلاوت کے وقت شیطان کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز میں آواز ملا کر تلک الغرانیق العلےٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ پکار دینے کی روایت میں بھی ابن شہاب زہری پیش پیش ہیں۔ اور انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف کی وشتیں بھی صحاح میں زیادہ تر زہری صاحب سے ہی ہیں۔ اور جن گمراہ کن روایتوں میں کچھ دوسرے ان کے شریک ہو جاتے ہیں وہ عموماً کوفی یا بصرے کے انہیں جیسے لوگ ہوتے ہیں اور ماشاء اللہ۔ یا محمد بن اسحٰق جیسے جن کو امام مالک نے دجال من الدجاجلہ فرما دیا تھا۔

غرض روایت کی حیثیت سے تو حضرت عائشہ کے متعلق افک کا واقعہ ناقابل اعتبار لوگوں سے مروی ہے ہی درایت کے اعتبار سے بھی روایت پرستی سے الگ ہو کر اور اجماع مؤرخین و اہل سیر و مفسرین و محدثین جو انہیں کذوبہ روایات کی بنیاد پر روایت پرستی اس کے ماتحت ایک ہزار برس سے چلا آرہا ہے اس سے مرعوب نہ ہو جیئے اور محض دیانت و انصاف سے اگر سرسری نظر سے بھی دیکھئے تو یہ واقعہ صاف طور سے منافقین عجم کا گھڑا ہوا معلوم ہونے لگیگا۔ روایت بھی دو دو طرح کی۔ ایک روایت کی عبارت میں جو کذب بافی کی علامتیں خود موجود ہیں ان سے سمجھئے۔ دوسرے نفس واقعہ پر غور کیجئے۔

صحاح کی روایت

صحاح میں جو روایت ابن شہاب زہری ہی سے مروی ہے میں اسی کو پیش کرتا ہوں پڑھئے اور دیانۃً غور کیجئے۔

سب سے پہلی بات تو یوں سوچنے کی ہے کہ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد دوم صفحہ ۵۹۳ میں پہلے باب غزوۃ بنی مصطلق من خزاعۃ وھی غزوۃ المریسیع ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے قال ابن اسحٰق وذالک سنۃ ست وقال موسیٰ بن عقبۃ سنۃ اربع۔ وقال النعمان بن راشد عن الزھری کان حدیث الافک فی غزوۃ المریسیع۔ یعنی غزوہ بنی مصطلق جس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں جو بنی خزاعہ سے ہوا تھا امام بخاری لکھتے ہیں کہ بقول ابن اسحٰق ۶ھ میں واقع ہوا تھا، اور بقول موسےٰ بن عقبہ ۴ھ میں مگر شارحین بخاری لکھتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں امام بخاری سے سبقت قلم کی وجہ سے چوک ہو گئی ہے۔ موسےٰ بن عقبہ کی کتاب میں ۴ھ نہیں بلکہ ۵ھ مرقوم ہے مگر اسکو امام بخاری کی چوک کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ خود ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں اسی حدیث افک کی شرح میں اسی موقع پر کہ امام بخاری نے کتاب الجہاد میں بھی لکھا ہے کہ عن ابن عمر انہ غزا مع النبی صلے اللہ

علیہ وسلم بنی مصطلق فی شعبان سنۃ اربع ولم یؤذن لہ فی القتال لانہ اذن لہ فی الخندق۔
اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کی وہ سبقت قلم یا چوک نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک غزوہ بنی مصطلق ۴ھ ہی میں ہوا تھا۔ اور امام بخاری کے پاس موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی جو تھی اس میں بھی ۴ھ میں لکھا ہوا تھا۔ اسی لئے امام بخاری نے اس کے حوالے کا ذکر کر دیا۔ بعد والوں کو واقعات کی کڑیاں جوڑنے میں دشواری محسوس ہوئی تو موسیٰ بن عقبہ کی کتاب میں ۴ھ کو ۵ھ بنا دیا۔ اور ابن اسحٰق جو موسیٰ بن عقبہ سے متاخر ہیں انہوں نے ۶ھ لکھ دیا۔ مگر تعجب ہے کہ غزوہ خندق کو بھی امام بخاری ماہ شوال ۴ھ ہی میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ ابن حجر یہاں کچھ توجیہات بیان کرکے صحیح تاریخ غزوہ خندق کی ۵ھ کے شوال میں لکھتے ہیں۔

غرض غزوہ خندق جس کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اور غزوہ بنی مصطلق کے درمیان صرف ایک ہی مہینے یعنی رمضان کا فاصلہ رہتا ہے۔ اگر شعبان کے کچھ دن اور شوال کے بھی کچھ دن ملا لیجئے تو تقریباً ڈیڑھ ماہ کا فاصلہ ہے۔ ڈیڑھ ماہ بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اذن قتال کے قابل ہو گئے اور ڈیڑھ ماہ قبل اذن قتال کے قابل نہ تھے؟ آخر کون سی وجہ ہوئی کہ ان کو غزوہ بنی مصطلق میں اذن قتال نہیں دیا گیا؟

بہرحال سورہ احزاب کے مضامین بتا رہے ہیں کہ اس سورہ کا نزول غزوہ احزاب کے بعد ہوا ہے یعنی ۵ھ کے اواخر یا ۶ھ کے اوائل میں۔ اسی لئے واقدی نے حکم حجاب کے نزول کے متعلق ذیقعدہ ۵ھ لکھا ہے جس کو نقل کرتے ہوئے فتح الباری ص ۱۰۹ میں حدیث افک کی شرح کے سلسلے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ وما قال الواقدی ان حکم الحجاب کان وقع فی ذیقعدہ سنۃ خمس فمردود۔ اس لئے کہ حدیث افک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ افک کا وقوع ۴ھ یا ۵ھ کے شوال میں ہوا تھا اور اس سے پہلے حکم حجاب نازل ہو چکا تھا۔ غریب واقدی نے تو واقعہ افک کا خیال کرکے حکم حجاب کے نزول کی تاریخ متعین نہیں کی تھی۔ اس نے تو بس اتنا ہی دیکھا کہ سورہ احزاب میں حکم حجاب کی آیت ہے اور سورہ احزاب کا نزول غزوہ احزاب کے بعد ہے۔ اس لئے یہ دیکھ کر کہ غزوہ احزاب شعبان ۵ھ میں ہوا تھا۔ تو اس کے بعد دو ماہ درمیان دے کر ذیقعدہ ۵ھ میں حکم حجاب کے نزول کی تاریخ مقرر کر دینی چاہیئے۔ دوسرے لوگوں نے حدیث افک میں حکم حجاب کا ذکر دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ واقعہ افک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے بعد واپسی میں ہوا۔ اور غزوہ بنی مصطلق ہوا ہے شوال ۵ھ یا ۴ھ میں حکم حجاب کو اوپر کھینچ کر لے جانا چاہیئے۔ اس لئے آیت حکم حجاب کے نزول کی تاریخ ان لوگوں نے ۴ھ لکھ دی۔ الغرض کچھ واقدی کا قول بھی اور دوسروں کا قول بھی۔

لیکن یہ بھی تعجب خیزی میں کم نہیں کہ امام بخاری خود لکھتے ہیں باب غزوۃ بنی المصطلق میں کہ نعمان بن راشد نے ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حدیث افک کا وقوع مریسیع یعنی غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر ہوا تھا۔

غزوۂ انمار

مگر وہ حدیث افک کا ذکر اس باب میں نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ غزوہ بنی مصطلق سے متعلق حدیثیں نقل کر کے ایک دوسرے غزوے یعنی غزوہ انمار کا نیا باب قائم کرتے ہیں۔ اور اس باب میں صرف ایک حدیث نقل کر کے پھر ایک نیا باب قائم کرتے ہوئے حدیث افک کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ واقعہ افک کی نسبت امام بخاری کے نزدیک غزوہ بنی مصطلق کی طرف نہیں بلکہ غزوۂ انمار کی طرف صحیح ہے۔ ورنہ باب غزوہ بنی مصطلق کے بعد باب غزوۂ انمار لکھنے کے بعد باب حدیث الافک لکھنے کے کیا معنی؟ بے شک روایتوں میں جیسا مذکور ہے واقعہ افک بنی مصطلق کے غزوے کے وقت کا واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ واپسی کے وقت اثنائے راہ کا واقعہ بتایا جاتا ہے۔ اور غزوۂ انمار کو تو غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک کے درمیان کا واقعہ نہیں بتایا جا سکتا۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے باب غزوہ بنی مصطلق اور باب حدیث الافک کے درمیان سے " باب غزوہ انمار" کو بطور جملہ معترضہ دیکھ کر اپنی شرح میں اس کو درمیان سے نکال ہی پھینکا۔ اور شرح میں اس کا مطلقاً کچھ ذکر ہی نہ کیا تاکہ کم سے کم شرح پڑھنے والا تو باب غزوہ بنی مصطلق کے بعد بلا فصل و بلا جملہ معترضہ فوراً باب حدیث الافک ہی پڑھے۔

غزوہ بنی مصطلق کے متعلق امام بخاری نے ابن اسحاق کا قول لکھا ہے کہ ۶ھ میں ہوا تھا۔ اور موسےٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ ۴ھ میں۔ اب ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور موسےٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ میں سے کون زیادہ قابل اعتبار ہے اس کو معلوم کر لینا مناسب ہے۔ ابن اسحاق کو امام مالک نے دَجَّالٌ مِنَ الدَّجَاجِلَۃ فرمایا تھا سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید القطان اور وُہَیب بن خالد تینوں ائمہ حدیث و رجال نے ان کو کذاب کہا۔ ائمہ احادیث و رجال کی اکثریت نے ان کو نعیس بحجہ فرمایا۔ یہ مدنی تھے مگر شروع ہی سے مدینے سے باہر نکل گئے تھے کوفہ، جزیرہ، رَے اور بغداد کی ہوائیں کھاتے رہے۔ اور آخیر میں بغداد میں جو پہنچے تو بغداد ہی کے ہو رہے۔ اور وہیں وفات پائی۔ یہ اہل مدینہ سے شاذ و نادر ہی کچھ روایت کرتے ہیں زیادہ تر باہر کے لوگوں سے روایت کیا کرتے ہیں اہل مدینہ بھی ان سے روایت نہیں کرتے۔ لے دے کر ابراہیم بن سعد ہی کا نام ایک مدنی کی حیثیت سے اس سلسلے میں ان کے لئے پیش کیا جاتا ہے پھر مدلس بھی تھے۔

بخلاف موسےٰ بن عقبہ کے کہ وہ مدینے میں اعلم الناس بالمغازی کہے جاتے تھے اور ائمہ احادیث و رجال سب ان کو ثقہ اور حجت کہتے ہیں۔ اور اکھڑ قسم کے سخت آدمی تھے۔ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے تھے مگر ان کو ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے کتاب المُخْتَصَر من المختصر۔ کتاب الحج ج ۱ صفحہ ۱۲۵ میں منقول ہے کہ کان الزھری یخلط کلامہ بالحدیث فقال موسی بن عقبۃ افصل کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کلامک یعنی زہری کا دستور تھا کہ اپنی بات بھی حدیث میں ملا دیا کرتے تھے۔ تو

موسے بن عقبہ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اپنے کلام سے علیحدہ رکھو۔

اگرچہ دونوں ہی موالی میں سے یعنی آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ اور موسے بن عقبہ بھی مدینہ چھوڑ کے عراق میں آبسے تھے۔ مگر ان دونوں جامعین مغازی میں موازنہ کیجئے تو موسے بن عقبہ کا پلہ ثقاہت اور حجیت میں محمد بن اسحٰق سے بہت زیادہ بھاری رہتا ہے۔ لیکن ؎ قبول خاطر لطف سخن خدا داد است۔ ابن اسحٰق کا طوطی بولتا رہا اور ابن جریر کی وجہ سے آج تک ابن اسحٰق کا نام زیادہ تر لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے۔

نفس حدیث

اب میں نفس حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں اور پھر اس پہ بحث کرونگا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

حدثنا عبدالعزیز بن عبد اللہ۔ حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن شھاب قال حدثنا عروۃ بن الزبیر و سعید بن المسیب و علقمۃ بن وقاص و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود عن عائشۃ زوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم حین قال لھا اھل الافک ما قالوا وکلھم حدثوا طائفۃ من حدیثھا و بعضھم کان اوعی لحدیثھا من بعض واثبت لہ اقتصاصا۔ وقد وعیت عن کل رجل منھم الحدیث الذی عن عائشۃ و بعض حدیثھم یصدق بعضا وان کان بعضھم اوعی لہ من بعض۔

ابن شہاب عروۃ بن الزبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں مگر یہ چاروں پوری حدیث میں متفق اللفظ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اس حدیث کا ایک حصہ بیان کیا۔ اور ان میں سے بعض کو بعض سے زیادہ ان کا وہ بیان کردہ حصہ یاد تھا اور وہ دوسرے زیادہ درست طریقے سے بیان کرتے تھے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ہر ایک سے اس حدیث کو محفوظ کر لیا جس کو اس نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کا بیان کردہ حصہ حدیث دوسرے کے بیان کردہ حصے کی تصدیق کرتا تھا۔ اور دوسرے سے زیادہ محفوظ تھا۔ غرض پوری حدیث جو ابن شہاب سے مروی ہے اس طرح پوری حدیث کسی نے بھی ان سے روایت نہیں کی بلکہ مذکورہ بالا چاروں راویوں نے اس حدیث کے بعض بعض حصے جو ان کو یاد تھے یا جتنا پھر ان سے بقول ان کے حضرت عائشہ نے فرمایا تھا اسی قدر انہوں نے ابن شہاب سے کہا۔ ابن شہاب نے سب کے بیان کردہ حصص حدیث کو اپنے طور پر واقعے کی ترتیب قائم کر کے پورے واقعے کا ایک ڈھانچہ قائم کر کے ایک مکمل حدیث تالیف کی اور اس کو وہ روایت کرنے لگے۔ اس لئے یہ پوری حدیث خود ابن شہاب کی تالیف کردہ ہے۔

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ابن شہاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیا کرتے تھے جس پر

موسیٰ بن عقبہ نے ان کو ڈانٹا تھا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اپنا کلام علیحدہ کرکے بیان کرو۔ اسی حدیث میں جس کے کچھ حصے کسی سے کچھ کسی سے انہوں نے سنا اور بطور خود ان منتشر ٹکڑوں کو ایک افسانے کی شکل میں مرتب کرکے حضرت عائشہ کی طرف منسوب کرکے اس کو روایت کرتے رہے خدا جانے اس افسانے کی کڑیوں کو ملانے کے لئے اور ان میں افسانوی رنگ ابھرنے میں کہاں تک ان کے اپنے کلام کا حصہ ہے اور کہاں تک ان کے ان چاروں شیوخ میں سے کس کا کس کا حصہ ہے۔ اور کہاں تک کی نسبت حضرت عائشہ کی طرف صحیح کہی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اور عروہ بن الزبیر سے سماع زہری ثابت بھی نہیں ہے۔ اگرچہ محدثین نے اجماع کرلیا ہے کہ ضرور سنا ہوگا۔ مگر یہاں تو عروہ ہی نہیں تین اور سے بھی ابن شہاب روایت کر رہے ہیں۔ اس لئے عروہ سے سماع کا ثابت ہونا اس حدیث کے ضعف کی دلیل نہیں۔ اس حدیث کے ضعف ہی کی نہیں بلکہ موضوع و مکذوب ہونے کی شہادت خود اسی حدیث کے الفاظ اور اس کے مضامین سے مل رہی ہے۔ جو آگے بیان ہوگی

قالوا قالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أراد سفرا اقرع بين ازواجه فايهن خرج سهمها خرج بها رسول الله صلى الله عليه وسلم معه قالت عائشة فاقرع بيننا في غزوة غزاها فخرج فيها سهمي فخرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ما أنزل الحجاب فكنت احمل في هودجي وانزل فيه فسرنا حتى اذا فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوته تلك وقفل دنونا من المدينة قافلين آذن ليلة بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت الى رحلي فلمست صدري فاذا عقد لي من جزع ظفار قد انقطع فرجعت فالتمست عقدي فحبسني ابتغاؤه قالت واقبل الرهط الذين كانوا يرحلوني فاحتملوا هودجي فرحلوه على بعيري الذي كنت اركب عليه وهم يحسبون اني فيه وكان النساء اذ ذاك خفافا لم يهبلن ولم يغشهن اللحم انما ياكلن العلقة من الطعام فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه وحملوه وكنت جارية حديثة السن فبعثوا الجمل فساروا ووجدت عقدي بعد ما استمر الجيش فجئت منازلهم وليس بها منهم داع ولا مجيب فتيممت منزلي الذي كنت به وظننت أنهم سيفقدوني فيرجعون الي فبينا انا جالسة في منزلي غلبتني عيني فنمت

وکان صفوان ابن المعطل السلمی ثم الذکوانی من وراء الجیش فاصبح عند منزلی فرأی سواد انسان نائم فعرفنی حین رآنی وکان رآنی قبل الحجاب فاستیقظت باسترجاعہ حین عرفنی فخمرت وجھی بجلبابی و واللہ ماتکلمنا بکلمۃ ولاسمعت منہ کلمۃ غیر استرجاعۃ وھوی حتی اناخ راحلتہ فوطیٔ علی یدھا فقمت الیھا فرکبتھا فانطلق یقود بی الراحلۃ حتی أتینا الجیش موغرین فی نحر الظھیرۃ وھم نزول قالت فھلک من ھلک وکان الذی تولی کبرا الافک عبداللہ بن أبی بن سلول

اب اس حدیث کا ترجمہ مرزا حیرت مرحوم کا لکھا ہوا نور محمد صاحب مالک کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی کا شائع کردہ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن شہاب اپنے اُن چاروں شیوخ عروۃ بن الزبیر سعید بن المسیب علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے بارے میں کہتے ہیں

حدیث کا ترجمہ - ان چاروں نے کہا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک لڑائی میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرعہ ڈالا اس میں میرا نام نکل آیا۔ میں آپ کے ساتھ نکلی۔ اور یہ موقع آیت پردہ کے اترنے کے بعد کا ہے مجھے ہودج میں بٹھا کر اتارتے چڑھاتے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لڑائی سے فارغ ہوئے اور واپس آئے اور ہم مدینے کے قریب تھے رات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چلنے کا حکم دیا۔ جب چلنے کی خبر ہوئی میں پاخانہ پیشاب کے واسطے روانہ ہوئی اور لشکر سے دور نکل گئی جب میں فارغ ہوئی اپنی سواری کے پاس آئی میں نے اپنے سینے پر ہاتھ ڈالا تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا ہار جزع ظفار یمنی کا تھا ٹوٹ گیا (اور گر پڑا) میں واپس گئی اور اپنا ہار ڈھونڈنے لگی۔ اس کے ڈھونڈنے میں مجھے دیر ہوگئی۔ جو لوگ مجھے سوار کراتے تھے انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھدیا۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ میں ہودج میں بیٹھی ہوں۔ اس وقت کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اور ان پر گوشت بہت کم ہوتا تھا۔ کیونکہ کھانا بہت کم کھاتی تھیں۔ اسی واسطے انہوں نے ہودج اٹھانے وقت ہلکا نہ جانا اور اسے اونٹ پر رکھدیا۔ اس وقت میں بہت کمسن تھی۔ وہ سب اونٹ کو لے کر چل دیئے میں نے اپنا ہار لشکر روانہ ہونے کے بعد پایا میں لشکر کی جگہ پر آئی تو وہاں کوئی جواب وسوال کرنے والا نہ تھا۔ میں اپنی جگہ پر اس خیال سے بیٹھ گئی کہ جب

سب کو میرا گم ہونا معلوم ہوگا تو مجھے ڈھونڈنے ضرور آئیں گے اسی طرح میں اپنی جگہ پہ بیٹھی تھی مجھے نیند آنے لگی اور میں سوگئی۔ صفوان بن معطل سلمی جو بعد کو ذکوانی مشہور ہوگیا تھا۔ لشکر کے پیچھے رہتا تھا (تاکہ گری پڑی چیز کو اٹھاتا لائے) وہ صبح کو میرے قریب پہنچا، اور سوتے آدمی کا سایہ دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ اس نے پردے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔ اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میں اس کے انا للہ پڑھنے سے بیدار ہوگئی اور اپنی چادر سے اپنا منہ چھپا لیا بخدا ہم نے کوئی بات نہ کی اور میں نے اس سے بجز استرجاع کے کوئی اور بات سنی۔ صفوان نے اتر کر اپنی سواری کو بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ میں اٹھ کر اس پر سوار ہوگئی۔ صفوان اونٹ کو کھینچتا چلا۔ اور ہم شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر لشکر میں پہنچے۔ وہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں سے جسے ہلاک ہونا تھا (تہمت لگا کر) ہلاک ہوا اور جو شخص بڑا مرتکب اس بہتان کا ہے وہ عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔"

مرزا صاحب مرحوم کے ترجمے میں بعض خامیاں ہیں جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، اور چونکہ وہ کچھ ایسی اہم نہیں جن سے حدیث کے نفس مفہوم پر کوئی اثر پڑے اس لئے ان خامیوں کی نشاندہی اور ان کی تصحیح میں کیوں وقت ضائع کیا جائے عام لوگوں کو حدیث کے نفس مفہوم سے مطلب ہے جو اس ترجمے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ نامناسب طرز بیان سے صرف نظر کر کے نفس مضمون کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ مزید تشفی کے لئے غیر عربی دان حضرات کے سامنے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ نے جو "سیرت عائشہ" میں اس حدیث کا خلاصہ مفہوم لکھ دیا ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں تاکہ ہر شخص روایت کے صحیح مفہوم کو پوری طرح سمجھ لے۔

علامہ ممدوح "سیرت عائشہ" از صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۶۷ میں تحریر فرماتے ہیں:

سید سلیمان ندوی کی تشریح

نجد کے قریب مریسیع بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا۔ شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمے کے پاس ان سے معرکہ آرا ہوئے۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہاں کوئی خونریز جنگ نہیں ہوگی۔ اس لئے منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک ہوگئی تھی۔ ابن سعد کی روایت ہے

وخرج معہ بشر کثیر من المنافقین لم یخرجوا فی غزوۃ قط مثلھا۔ اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی جو کسی اور غزوے میں نہیں ہوئی۔ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر میں جاتے تھے تو ازواج مطہرات میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں اسی طریقے سے اس سفر میں حضرت عائشہؓ ہمرکابی میں تھیں۔ چلتے وقت اپنی بہن اسماء سے ایک ہار عاریتہً پہننے کو مانگ

لیا تھا[1]۔ وہ ان کے گلے میں تھا۔ ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چودہ[2] برس کی تھی۔ یہ عورت[3] کا وہ زمانہ ہے جس میں اس کے نزدیک معمولی سا زیور بھی گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کر لی جا سکتی ہے۔ سفر میں حضرت عائشہ اپنے محمل پر سوار ہوتیں، ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھدیتے تھے۔ اور چل کھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اسقدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں۔

. . . .

ایک جگہ رات کو قافلے نے پڑاؤ کیا پچھلے پہر وہ پھر روانگی کو تیار تھا کہ حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لیے قافلے سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا۔ دیکھا تو ہار نہ تھا۔ ایک تو کم سنی اور پھر منگنی کی چیز گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے پہلے ہی ہار ڈھونڈ کر واپس آجاؤنگی۔ اس بنا پر نہ کسی کو واقعے کی اطلاع دی، اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا۔ ادھر قافلہ چل چکا تھا۔ پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا۔ مجبوراً چادر اوڑھ کر پڑ رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے۔ صفوان بن معطل ایک صحابی تھے۔ جو ساتھ (ریئر گارڈ) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں، اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سوار نظر آیا۔ حکم حجاب سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہ کو دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پاس آکر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا آواز سن کر حضرت عائشہ سونے سے

---

[1] ۵ھ میں حضرت عائشہ کی عمر چودہ برس۔ اسی حساب سے قرار دی گئی ہے کہ حضرت عائشہ کی ولادت ۵ھ بعثت ہوئی تھی اور ان کا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا تھا۔ جو یقیناً غلط ہے۔ غزوہ مریسیع اگر ۵ھ میں ہوا تھا تو اس وقت حضرت عائشہ کی عمر اکیس بائیس برس تھی ۱۲

[2] عام عورتوں پر ان کو قیاس کرنا جن کے متعلق فرمایا گیا ہو لستن کاحد من النساء کسقدر خلاف تہذیب بلکہ گستاخی ہے۔ ۱۲

[3] شاید کسی تقریب کی شرکت کے لئے شادی بیاہ میں جا رہی تھیں کہ اپنے پاس نہیں ہے تو بہن ہی سے منگنی کا زیور لیکر جانے کا خیال پیدا ہوا۔ ۱۲

چونکہ پڑیں۔ صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کرکے اگلی منزل کا راستہ لیا۔ قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے سے نظر آیا۔ صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور حضرت عائشہ محمل میں سوار تھیں۔ یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے۔ آج ریل کے زمانے میں بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں "

میں بارہا لکھ چکا ہوں کہ جھوٹی حدیثیں چاہے وہ جسقدر کثرت طرق سے روایت کی گئی ہوں، دنوں تک ان کا چرچا کیا گیا ہو یہاں تک کہ محدثین و مجتہدین و فقہاء و مورخین سب نے مل کر متفقہ طور سے ان کے متواتر ہونے کا بھی خوب زور زور سے نقارہ بجایا ہو۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے کذب و افتراء کے راز کو فاش کرنے کا بھی ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی واضح و روشن سامان نہ کردیا ہو۔ یا تو وہ حدیثیں نص قرآنی کی صراحۃً مخالف ہونگی اور کوئی نہ کوئی آیت قرآنی ان حدیثوں کی بیانگ دھل تکذیب کررہی ہوگی۔ یا ان کے ہر طریق روایت میں کوئی نہ کوئی وضاع و کذاب ضرور ہوگا۔ یا نفس حدیث ہی کی عبارت میں ایسی ایسی واضح کمزوریاں ہونگی جن کی وجہ سے وہ حدیث خود اپنے مکذوب و مفتریٰ ہونے کی آوازِ بلند شہادت دیگی۔

وضع حدیث کا زمانہ

اس حدیث افک کا بہتان جنگ جمل کے بعد قاتلین حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم مذہبوں نے کوفہ و بصرہ وغیرہ مقامات میں پہلی ہی صدی کے نصف اول ہی کے بعد سے یعنی سنہ ۵۰ھ یا سنہ ۶۰ھ ہی سے باندھنا اور مشہور کرنا شروع کیا تھا اور اس کے لئے اپنی ٹکسالوں میں حدیثیں بنا بنا کر مشہور کرنے لگے۔ ابن شہاب زہری تو وضاعین حدیث کے دانستہ یا نادانستہ مستقل ایجنٹ کی حیثیت میں تھے ہی ان کے ذریعے اپنی من گھڑت بہتانی حدیثوں کو جامعین احادیث تک پہنچانا شروع کردیا۔ اور یہ افترائی بہتانی حدیثیں پہلی ہی صدی میں کافی حد تک مشہور ہوگئیں خصوصاً جامعین احادیث اور ابن جریر و ابن اسحاق جیسے کذاب مورخین کے اپنی کتابوں میں درج کردینے کے باعث چاہے اس وقت کے عامۂ مسلمین میں یہ روایتیں مشہور ہوگئی ہوں یا نہ ہوگئی ہوں۔ مگر کتابوں میں داخل ہوگئیں۔ اور بعد والوں کے لئے ذریعہ علم یہی کتابیں رہ گئیں۔ مفسرین میں پہلے مفسر وہی ابن جریر طبری شیعہ تھے جو مورخ بھی تھے اس لئے انہوں نے اپنی تاریخ کی طرح اپنی تفسیر میں بھی ان افترائی حدیثوں کو بھرا۔ تو پھر بعد والے مفسرین کس طرح ان روایتوں کو نہ لکھتے۔

چالاک اور ہوشیار وضاعین نے روایتیں ایسی ایسی بنائیں جن سے یہ ثابت ہو کہ واقعہ محض اتفاقی اور بالکل

عہ معلوم نہیں صفوان کے اونٹ پر محمل کہاں سے آگیا تھا۔ ان کے اونٹ پر تو خالی کھلا ہوا کجاوا ہوگا ۱۲

معمولی سا تھا عہد نبوی کے منافقین نے اس میں رنگ آمیزی کر کے حضرت ام المومنین صدیقہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضرت صدیقہ کی برات کی آیت اتر گئی اور تمام مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی مطمئن ہو گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے لئے یہ موجب فخر و مباہات ہوا کہ ان کی برات اللہ تعالےٰ کی طرف سے اتری۔

مگر اگر یہ واقعہ درحقیقت سچا تھا تو اس وقت کے منافقین جو نہ آنحضرت کو رسول اللہ سمجھتے تھے نہ قرآنی آیات کو منزل من اللہ مانتے تھے وہ کس طرح ان آیات سے مطمئن ہو سکتے تھے۔ یا آج غیر مسلمین یا بعض ملحد قسم کے جو اپنے کو مسلمان کہنے والے ہیں، جو قرآن مجید کو وحی منزل من اللہ نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے ہیں وہ ان آیات سے جن سے حضرت صدیقہ کی برات بتائی جاتی ہے کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں ؟ ان کا منشا یہ تھا کہ دشمنوں اور غیر مسلموں کے لئے ایک موقع حرف گیری کا ہمیشہ کے لئے رہ جائے۔ ان خبیث النفس منافقین کے منشا کو بیچارے روایت پرست جامعین احادیث کس طرح سمجھ سکتے تھے جبکہ وہ ان کے ریاکارانہ زہد و ورع کے دام میں گرفتار تھے اور ان کو ثقہ و حجت سمجھتے تھے۔

تو اب اس حدیث افک کے مستقل افک ہونے کی کھلی شہادت ایک نہیں دس دس شہادتیں جو خود اسی حدیث کی نفس عبارت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کے گھڑنے والوں ہی سے رکھوا دیں ہیں ان کو ملاحظہ فرمایئے اور قدرت الٰہیہ و اعجاز نبویہ و کرامت حضرت صدیقہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اپنے ایمان کو قوی سے قوی تر بنایئے۔ اور جن کے پاس ایمان کی دولت نہ ہو وہ کم سے کم انصاف و دیانت کسی حد تک بھی رکھتے ہیں تو ان کو ان واضح شہادتوں کے بعد تو ضرور ایمان لے آنا چاہیئے۔

شہادات عشرہ

۱ حضرت عائشہ کی پوری زندگی کا یہ اہم ترین واقعہ بتایا جاتا ہے۔ اور واقعہ بھی اتنا اہم کہ حضرت عائشہ کے پورے خاندان میں بلکہ قریش کے پورے قبیلے میں کبھی کسی کے ساتھ نہ ہوا ہوگا۔ پھر اہل بیت نبوی میں سے آپ کی محبوب ترین اہل بیت کے ساتھ کا واقعہ۔ اور جن کے ساتھ اس واقعہ کا ہونا بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی روایت خود انہیں کی زبانی کی جارہی ہے اور وہ اپنا وہ افسوسناک واقعہ خود بیان فرما رہی ہیں ایک شخص سے نہیں بلکہ چار چار شخصوں سے مگر ان کو یاد نہیں ہے کہ وہ واقعہ کس غزوے میں ان کے ساتھ ہوا تھا کسی کے ساتھ کوئی اہم واقعہ ہو جاتا ہے تو اس کو اس واقعہ کے وقوع کا دن تاریخ مہینہ سال سب یاد رہتا ہے۔ مگر حضرت عائشہ کو یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ کون سا غزوہ تھا جس میں یہ واقعہ ان کے ساتھ ہوا تھا۔ چار راویوں میں سے کسی سے بھی انہوں نے اس غزوے کا نام نہیں بیان کیا کسقدر خلاف توقع بات ہے۔

کہ وہ فرماتی ہیں فی غزوۃ غزاھا " ایک غزوے میں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نکلے تھے " ہر راوی یہ بیان کرتا ہے۔ اگر یہ واقعہ سچا ہوتا، اور واقعی حضرت عائشہ اس واقعہ کو کسی سے بھی بیان فرماتیں تو ضرور اس غزوے کا نام لیتیں۔ کبھی اس غزوے کا نام نہ بھولتیں۔ بلکہ وہ غزوہ ان کو زندگی بھر یاد رہتا۔ وضاعین کذابین نے اس حدیث کے بنانے کے وقت غزوے کا ذکر کرنا مناسب تہیں سمجھا۔ اس وقت ان کے ذہن نے کام نہ کیا کہ کس غزوے کا نام لیا جائے اسلئے مبہم چھوڑ دیا کہ بعد کو سوچ سمجھ کر کسی غزوے کا نام بتا دیا جائے گا۔ سردست نفس حدیث میں غزوے کو مبہم ہی چھوڑ دیا جائے۔

۲۔　حضرت عائشہ اس محمل پر مدینے سے ہی سے گئی ہونگی خود ایک وزنی چیز ہوتا ہے پھر اس میں بقول راوی ایک کمسن دبلی پتلی جوان، عورت بھی تھیں۔ وہ ہزار ہلکی پھلکی ہوں مگر کم سے کم پندرہ بیس سیر تو ان کا وزن ضرور ہوگا۔ محمل کوئی صندوقچہ یا سوٹ کیس کے برابر نہیں ہوتا کہ من بھر وزن کا بھی ہو تو ایک مضبوط آدمی تنہا اٹھا کر اونٹ پر رکھدے یقیناً ساربان کسی مددگار کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کے محمل کو اونٹ پر رکھتا اور اتارتا ہوگا۔ بلکہ یہ بھی ناممکن اور خلاف دستور ہے کہ سوار سمیت محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھا جاتا ہو۔ یقیناً پہلے محمل رکھا جاتا ہے اس کے بعد سوار محمل میں سوار ہو کر بیٹھتا ہے۔ سوار سمیت اگر محمل اٹھا کر رکھا جائے تو سوار کو بیٹھنے میں دشواری ضرور محسوس ہوگی اور ہل جل کی وجہ سے سر میں شانے میں چوٹ آنے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً دستور کے مطابق مدینے سے چلنے کے وقت بھی اور پھر جاتے ہوئے ہر پڑاؤ پر پہلے اونٹ پر محمل رکھا جاتا ہوگا اس کے بعد حضرت عائشہ محمل میں بیٹھتی ہونگی اور جب اونٹ بیٹھتا ہوگا تو محمل سے نکل کر زمین پر اتر لیتی ہوں گی تب محمل اونٹ سے اتارا جاتا ہوگا محض پیش بندی کے لئے روایت میں خلاف دستور یہ درج کیا گیا ہے کہ وہ محمل میں بیٹھ لیتی تھیں تب محمل اونٹ پر رکھا جاتا تھا۔ اس موقع پر جس کا ذکر روایت میں ہے ساربان اور اس کے مددگار نے کیسے سمجھ لیا کہ حضرت عائشہ محمل میں موجود ہیں؛ کیا وہ رات کو رات بھر محمل ہی میں بیٹھی رہتی تھیں؟ کیا محمل میں پاؤں پھیلا کر سونے کی جگہ بھی ہوتی ہے؟ کیا وہ پڑاؤ کے وقت محمل سے اتر کے آنحضرت صلعم کے خیمے میں نہیں چلی جاتی تھیں؟ اگر وہ رفع حاجت کے لئے پڑاؤ سے کچھ دور گئی تھیں تو محمل سے اتر کر؛ یا رسول اللہ صلعم کے خیمے سے؟ کیا وہ پڑاؤ کے وقت تنہا کسی ایسی جگہ ساری فوج سے الگ اور آنحضرت کے خیمے سے بھی الگ محمل میں بیٹھی رہی تھیں کہ اس میں نکل کر ان کو باہر جاتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ کہ ان کی واپسی کا خیال رکھتا؟ — آخر پڑاؤ تو غالباً مغرب کے وقت کیا گیا ہوگا مغرب کی نماز پھر عشا کی نماز میں حضرت عائشہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ مجاہدین کے پیچھے ضرور رہی ہونگی۔ رات کا کھانا آنحضرت صلعم کے ساتھ یا دوسری عورتوں کے ساتھ کھایا ہوگا جو شریک سفر تھیں تو وہ خیمہ نبوی چھوڑ کر یا عورتوں کے خیمے کو چھوڑ کر رات بھر محمل ہی میں کیوں رہیں کہ ساربان اور اس کے معاون کو اس کا یقین ہا

کہ وہ محمل میں موجود ہیں :

خالی محمل بھی اسی ساربان اور اس کے مددگاروں نے ضرور اٹھایا ہوگا۔ اور اس کے وزن کا ضرور اسے اندازہ ہوگا۔ اور اگر اس پر دس پندرہ سیر کے وزن کا بھی اضافہ ہو جائے تو ایسا نہیں ہے کہ دس پندرہ سیر کے وزن کے اضافے کو وہ محسوس نہ کر سکے۔ اگر وہ بفرض محال ہر بار حضرت عائشہ کے محمل میں موجود رہنے ہی کی حالت میں اس سفر میں محمل کو اٹھاتا رہا ہو اور اتارتا رہا ہو تو ناممکن ہے کہ وہ پندرہ یا دس ہی سیر کے وزن کی کمی بیشی کا فرق محسوس نہ کرے۔ حضرت عائشہ کا وزن محض سیر ڈیڑھ سیر نہ تھا کہ بالکل محسوس نہ ہو۔

پھر اگر سوار سمیت ساربان محمل اٹھائے گا تو پہلے سوار کو مطلع کر دے گا کہ اب محمل کو اٹھا رہا ہوں ذرا سنبھل کر بیٹھ جایئے۔ جب سوار اپنی ہوشیاری کا اظہار کر دے گی تب ساربان محمل اٹھائے گا۔ سوار کو غافل رکھ کر کبھی نہیں اٹھائے گا۔ اس لئے ساربان نے ضرور آواز دی ہوگی کہ اب محمل اٹھا کر اونٹ پہ رکھتے ہیں سنبھل کر بیٹھئے۔ مگر جب کسی قسم کی آہٹ نہ پائی ہوگی تو ضرور اسکو چوکنا ہونا چاہیئے۔ اور اب تو محمل کے وزن کی طرف بھی اس کے ذہن کو منتقل ہونا ضروری تھا

۳۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ مجاہدین کا قافلہ جب کبھی باہر نکلتا تھا تو ان کے ساتھ عورتوں کی بھی جماعت ہوتی تھی۔ صرف رسول اللہ صلعم ہی اپنی زوجہ مطہرہ کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔ عورتوں کے لے جانے کی غرض مجروحین کی خدمت وغیرہ تھی۔ اسلامی مساوات کا تقاضا یہی تھا کہ جب صحابہ کی بیویاں مجاہدانہ شریک قافلہ مجاہدین ہیں تو رسول اللہ صلعم کی کوئی بیوی بھی ضرور شریک سفر رہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ جہاں پڑاؤ ہو وہاں حضرت عائشہ نہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہیں نہ ان عورتوں کیساتھ بلکہ تنہا رات بھر محمل ہی میں بیٹھی رہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بخیال مساوات سب عورتوں کی جماعت کے ساتھ حضرت عائشہ بھی ہوں۔ تو اگر وہ رفع ضرورت کے لئے قافلے سے دور تنہا لیے راہ میں آخر شب کو تنہا کسی جھاڑی وغیرہ کی طرف جا رہی تھیں تو بقول راوی وہ اس وقت بہت کمسن تھیں خود اگر لحاظ سے کسی عورت کو ساتھ چلنے کے لئے نہ کہہ سکتی تھیں تو ان صحابیات کو تو اہل بیت نبوی کی عظمت کا خیال کر کے ان کے ساتھ ہو لینا تھا۔ ایک نہیں بلکہ کئی ساتھ ہو جاتیں۔ کوئی وجہ ہی نہیں ہے کہ وہ تنہا چلی جاتیں۔

۴۔ ہر سفر میں قافلے کے ساتھ خیمے رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خیمہ الگ ہوتا تھا آپ کے ساتھ جو اہل بیت ہوتی تھیں یقیناً رات کے وقت آپ کے ساتھ آپ ہی کے خیمے میں رہتی تھیں۔ آپ سے الگ رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بخیال مساوات عورتوں کی جماعت کے ساتھ رہتی ہوں۔ تو اگر عورتوں کے ساتھ رہتی ہوں جب بھی ان کا تنہا قافلے سے دور آخر شب کو جانا بعید از عقل ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اور اگر آنحضرت ہی کے ساتھ آپ ہی کے خیمے میں رہتی ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر قافلے سے دور آخر شب میں تنہا ان کا جانا غیر ممکن ہے

یقیناً حضرت عائشہ کو اگر ضرورت محسوس ہوئی ہوگی تو آپ سے باہر جانے کی اجازت طلب کی ہوگی۔ اس وقت بقول راوی ان کے حدیث السن کمسن ہونے کا خیال کر کے آپ کسی صحابیہ کو ضرور ساتھ جانے کے لئے فرماتے ورنہ آپ خود ساتھ جاتے۔ تنہا ہر شب کو اثنائے راہ میں قافلے سے دور جھاڑی کی طرف جانے کی اجازت کبھی نہ دیتے۔ خصوصاً جب اسی حدیث کے سلسلے میں یہ بھی روایت چند سطروں کے بعد موجود ہے کہ وہ اپنے گھر پر مدینے کی آبادی میں شب کے وقت رفع حاجت کے لئے میدان کی طرف چلیں تو ام مسطح حضرت عائشہ کے ساتھ ہولیں یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلعم ان کو تنہا اثنائے راہ میں دیر شب کو جانے دیتے۔

۵ یہ قافلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والذین معہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ مغرب کے وقت پڑاؤ ہوا ہو تو نماز مغرب میں آنحضرت نے حضرت عائشہ کی تلاش نہ کی ہو اسی طرح عشاء کی نماز میں۔ اور پھر صبح کی نماز میں۔ پڑاؤ کے وقت حضرت عائشہ محمل سے اتر کر نماز مغرب میں شریک ہوئی ہونگی اس کے بعد پھر محمل ہی میں جا کر کبھی نہ بیٹھ رہی ہونگی۔ یا آنحضرت کے ساتھ آپ کے خیمے میں ہونگی۔ یا عورتوں کی جماعت کے ساتھ عورتوں کے خیمے میں۔ اور پھر کھانا انہوں نے شب کے وقت آنحضرت ہی کے ساتھ کھایا ہوگا یا عورتوں کے ساتھ۔ پھر عشاء کی نماز میں محمل سے باہر ہی رہی ہوں گی۔ اس کے بعد آرام کرنے کے لئے بھی آنحضرت کے خیمے میں چلی آئی ہونگی یا عورتوں کے خیمے میں۔ محمل سونے کی جگہ نہیں۔ ساربان نے ان کو پڑاؤ کے بعد فوراً ہی اتر کر آنحضرت کے خیمے کی طرف یا عورتوں کے خیمے کی طرف جاتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ اس لئے جس وقت اس نے اونٹ کو بٹھایا ہوگا اسی وقت اس کے سامنے ہی وہ چادر اوڑھے حجاب کے ساتھ محمل سے اتری ہونگی۔ اور ساربان نے خالی محمل کسی جگہ رکھ دیا ہوگا۔ جہاں اس نے خالی محمل رکھا تھا وہیں سے محمل اٹھایا ہوگا۔ کیسے اس کو یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ اس میں حضرت عائشہ موجود ہیں۔ اور جب وہم کا امکان بھی نہیں ہے تو گمان غالب یقین کا کیا ذکر ہے کہ وہ یہ سمجھ کر محمل اونٹ پر رکھ دیگا کہ حضرت عائشہ اس میں سوار ہیں۔ محمل سے باہر نکلتے ہوئے تو ساربان نے دیکھ لیا تھا۔ مگر محمل میں سوار ہوتے ہوئے بلکہ اس طرف آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر کس طرح یقین کر لیا کہ وہ محمل میں ہیں؟

۶ اس حدیث کا گھڑنے والا چونکہ بڑا چالاک تھا اس لئے جس طرح اس نے غزوہ کا نام بتاکر متعین نہ کیا اسی طرح یہ بھی نہیں بتایا کہ شب ماہ تھی یا اندھیری رات۔ حضرت عائشہ اندھیری رات میں باوجود حدیث السن ہونے کے اثنائے راہ میں قافلے سے دور تنہائی کے مقام پر جانے میں ذرا نہیں ڈریں۔ سخت تعجب ہے۔ پھر ہار جزع یمنی کا جب تھا تو اس کے دانے ضرور بکھر گئے ہونگے۔ اندھیری رات میں ایک جگہ جا کر رفع حاجت کرنا اور پھر واپس آنا اور ہار نہ پاکر پھر اسی جگہ پہنچ جانا جہاں رفع حاجت کے لئے گئیں تھیں۔ ہار کہاں پہ ٹوٹا تھا اس کا علم نہ تھا۔ جاتے

وقت اثنائے راہ میں یا واپسی کے وقت اثنائے راہ میں۔ یا وہیں پہ جہاں رفع حاجت کیا تھا؟ اس کی کیا خبر ہو سکتی ہے اس لئے کہاں کہاں تلاش کیا۔ اگر روایت میں یہ ہوتا کہ علے الصباح آنحضرت صلعم نے فجر کی نماز مختصر طور سے پڑھ کر چلنے کا حکم دیا تو کہا جا سکتا تھا کہ نماز اور پھر حضرت عائشہ کے بعد نماز رفع حاجت کے لئے جانے اور فراغت کے بعد آنے اور ہار نہ پاکر پھر واپس جانے تک ایک حد تک روشنی ہو چکی تھی۔ یہاں صاف طور سے روایت میں ہے اذن لیلۃً بالرحیل رات ہی کے وقت کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فجر کی نماز آگے کہیں جاکر پڑھی ہوگی۔ یہ بھی راوی نہیں لکھتا ہے کہ شب ماہ تھی۔ چاندنی کی روشنی کی وجہ سے حضرت عائشہ کو جانے آنے اور پھر اسی جگہ پہونچنے میں اور نجاست سے بچتے ہوئے ہار کو اور اس کے بکھرے ہوئے دانوں کے چننے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ ورنہ اندھیری رات میں تو زمین پہ ہار اور دانوں کو ٹٹول ٹٹول کر اسی جگہ تلاش کرنے میں جہاں رفع حاجت کیا ہے، ہاتھ کے آلودہ ہو جانے کا بہت زیادہ خطرہ ہے۔

علامہ ندوی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ "ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں" (سیرت عائشہؓ) علامہ مرحوم نے یہ فقرہ کس لئے تحریر فرمایا ہے اس کو میں بعد میں بیان کرونگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہار حضرت عائشہ کا نہ تھا۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماء کا تھا۔ اس کے بار بار ٹوٹنے کا تجربہ صرف حضرت عائشہ کو تھا یا حضرت اسماء کو بھی تھا۔ جب اس کا دھاگا اس قدر کمزور تھا تو اول تو اس کے دانوں کی حفاظت کے خیال سے حضرت اسماء کو اس میں کون سی دشواری تھی کہ وہ اس ہار کے دانوں کو دوسرے مضبوط دھاگے میں نہیں گوندھ لیتی تھی۔ باوجود اس کے کہ اس کا دھاگہ بار بار ٹوٹ جاتا تھا۔ اور اگر وہ دھاگا بدلنے کے خیال میں تھیں ضرور مگر آج کل میں یہ کام ٹلتا رہا۔ اور حضرت عائشہ نے دھاگا بدلنے سے پہلے ہی مستعار مانگ لیا۔ اگر ایسا تھا تو حضرت اسماء ضرور ان کو مطلع کر دیتیں کہ اس کا دھاگا بہت کمزور ہے بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر راہ میں کہیں ٹوٹا خصوصاً شب کے وقت تو پھر اس کے دانے بکھر جائیں گے اور ممکن ہے تلاش کے وقت بعض دانے گم ہو جائیں۔ تو ممکن کہ حضرت عائشہ نہ لیتیں یا لے کر خود گوندھ لیتیں۔ دھاگہ ساتھ رکھ لیتیں، اثنائے راہ میں محمل میں بیٹھی بیٹھی ہار گوندھ لیتیں ورنہ ہار کا برابر خیال رکھتیں۔

پھر حضرت عائشہ ایک جہاد میں جا رہی تھیں۔ مجروحین کی خدمت کے لئے۔ کسی تقریب میں شادی بیاہ میں یا دعوت ضیافت میں نہیں جا رہی تھیں کہ اپنے پاس زیور نہیں ہے تو مانگتی کا زیور پہن کر اپنا شوق مناتیں یا دوسری عورتوں میں اپنا بھرم رکھتیں۔ وہ مجروحین کی خدمت کے لئے جا رہی تھیں۔ جس کے لئے ان کو ہلکی پھلکی رہنا چاہیئے تھا تاکہ باطمینان دوڑ دھوپ اور جدوجہد کر سکیں۔ ایسی حالت میں تو اپنے بدن پر دن رات پہننے کا زیور بھی کوئی ہو تو اس کو اتار کر جانا چاہیئے نہ کہ اپنے پاس نہ ہو تو دوسرے سے مستعار لے کر جایا جائے؟ اور پھر چلنے کے وقت آنحضرت صلعم

نے ضرور حضرت عائشہ کے گلے میں ہار دیکھ کر پوچھا ہوگا کہ یہ ہار کس کا ہے۔ معلوم کرنے کے بعد آپ ضرور ہار کو دو خیال سے واپس کرا دیتے ایک تو وہی جو اوپر مذکور ہوا۔ مجروحین کی خدمت کے وقت ہلکی پھلکی رہنا چاہیئے۔ ہار جیسی چیز خود اپنے ہی کسی ہاتھ سے الجھ سکتا ہے۔ کسی مضطرب مجروح کو سنبھالنے میں اس کے ہاتھ سے الجھ سکتا ہے۔ اس لئے ہار پہن کر جانا ہرگز مناسب نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ منگنی کا زیور پہن کر محض نمائش کے لئے کہیں جانا اولوالعزمی اور عزت نفس کے خلاف ہے

بحث اس حدیث کے گھڑنے والے نے حضرت عائشہ ہی پر غیر مسلمین کے نزدیک ایک بہتان باندھ کر واقعہ افک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنے اہل بیت کی طرف سے بے پروائی و بے اعتنائی و غفلت برتنے کا الزام درحقیقت عائد کیا ہے کہ جس شب کو اثنا ئے راہ میں پڑاؤ کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے اس میں پڑاؤ کے وقت سے کوچ کے وقت بلکہ دوسرے دن دوسرے پڑاؤ کے وقت تک جو ظہر کا وقت بتایا ہے اتنی طویل مدت آپ نے حضرت عائشہ کے متعلق کبھی کچھ نہ پوچھا۔ نہ پڑاؤ کے وقت آپ نے پوچھا نہ نماز مغرب میں نہ نماز عشاء میں نہ کھانے کے وقت نہ اُن کے آرام و آسائش کے متعلق نہ کوچ کے وقت نہ کوچ کے بعد آگے چل کر جہاں صبح کی نماز پڑھی وہاں نہ نماز سے پہلے نہ نماز کے بعد۔ یہاں تک کہ پھر نماز صبح کے بعد بھی، جب قافلہ چلا تو اس وقت بھی حضرت عائشہ کو بالکل بھولے رہے۔ جیسے آنحضرت کو حضرت عائشہ کا اپنے ساتھ لانا مطلقاً یاد ہی نہ رہا۔ ظہر کو جو دوسری جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں بھی آپ نے حضرت عائشہ کو یاد نہ فرمایا۔ کم سے کم نمازوں کے وقت تو ضرور حضرت عائشہ کو دریافت فرماتے۔ آپ کو حکم تھا

وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیہا

ظاہر ہے کہ جب آپ اپنی ایک زوجہ مطہرہ کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ خصوصاً ایسی بیوی کو جو بقول راوی بالکل کمسن اور بقول علامہ ناتجربہ کار بھی تھیں تو ان کے متعلق تو پوری خبر گیری کی ضرورت تھی جس کے آپ اخلاقاً ہی نہیں بلکہ شرعاً بھی ذمہ دار تھے۔ مگر راوی کے نزدیک آنحضرت صلعم نے نعوذ باللہ اس موقع اپنی اخلاقی و شرعی ذمہ داری کا حق مطلقاً نہیں ادا کیا۔ اللھم عذب لمنافقین عذابا شدیدا

بحث اس حدیث کا گھڑنے والا چونکہ خود منافق بے دین بے نمازی ہے۔ اس لئے اس نے اس جھوٹی حدیث کے گھڑنے میں پڑاؤ ڈالنے کا ذکر کیا ہے۔ مگر کہیں بھی نماز کا ذکر نہیں ہے۔ رات کو پڑاؤ کیا ہوگا تو مغرب کے وقت مغرب پڑھنے کے لئے یا مغرب کہیں پڑھ کر پھر چلے ہوں تو عشاء کے وقت پڑاؤ کیا ہوگا۔ اور پہلے عشاء کی نماز پڑھی ہوگی رات رہتے کوچ کا حکم دیا ہوگا تو پھر نماز صبح کے لئے کچھ آگے پہونچ کر قیام کیا ہوگا۔ دوسرے پڑاؤ کا ذکر کیا ہے جب صفوان بن معطل حضرت عائشہ کو اپنے اونٹ پر بٹھائے

اونٹ کی مہار تھامے اس پڑاؤ پر پہنچے ہیں دوپہر کے وقت۔ تو عند الظہیرۃ کا لفظ آیا ہے ظہیرۃ دوپہر کو کہتے ہیں۔ اس سے ظہر مراد نہیں لی جاتی۔ مگر قافلہ وہاں پہلے سے اترا ہوا تھا جیسا کہ روایت میں مذکور ہے۔ وھم نزول۔ قافلے والے اترے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت بھی کسی نے حتیٰ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ کا کچھ کھوج نہ کیا۔

۹۔ جب حضرت عائشہ بقول راوی ہار ڈھونڈ کر پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا۔ اور یقیناً اس وقت تاریکی ہی ہوگی۔ کچھ حصہ شب باقی ہوگا یا غلس کا وقت ہوگا۔ بقول راوی وہ حدیث السن بہت کمسن تھیں اور بقول علامہ ندوی مرحوم ۱۴ برس کی کمسن اور ناتجربہ کار تھیں۔ اس لئے اندھیری رات میں یا غلس کے وقت چٹیل میدان میں تنہا اپنے کو پاکر تو ان کو غش کھا کر گر جانا چاہیے تھا۔ ورنہ سخت اختلاج و اضطراب میں مبتلا ہو جانا تھا۔ ان کا دل دھڑکنے لگتا۔ گھبرا گھبرا کر رونے لگتیں۔ اللہ تعالےٰ سے فریاد کرنے لگتیں۔ دعائیں کرنے لگتیں۔ مگر نہیں کچھ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اطمینان سے بیٹھ رہیں کہ لوگ جب مجھکو نہ پائیں گے تو خود ڈھونڈنے کے لئے آئیں گے۔ اور اطمینان بھی ایسا کامل اطمینان کہ کچھ دیر کے بعد ان کو نیند آنے لگی۔ اور وہ چادر تان کر اطمینان سے سو رہیں۔ کیا کوئی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے؟ ۱۴ نہیں چالیس برس کی عورت بھی اگر اس طرح قافلے سے اثنائے راہ میں رات کے وقت چٹیل میدان میں چھوٹ کر رہ جائے تو ضرور وہ چور ڈاکو سے بھی ڈرے گی اور درندے گزندے جانوروں سے بھی ڈرے گی۔ اور خوفناک منظر جس کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور ایسی ہیبتناک تنہائی جس کا کبھی اس کو سابقہ نہیں پڑا تھا تو ضرور وہ سخت گھبرائے گی اور ضرور خوفزدہ ہوگی اور کبھی اسکو نیند نہیں آ سکتی۔ جبکہ بقول راوی کمسن ناتجربہ کار عورت۔

۱۰۔ اس حدیث کے گھڑنے والے خبیث نے اس کا بھی خیال نہ کیا کہ حضرت عائشہ رسولؐ کی بیوی تھیں نماز کی ضرور سخت پابند ہونگی۔ اور یہ اگر ان کی نماز کا ذکر نہ کیا تھا تو کہا جا سکتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی ہوگی جس طرح سب نے پڑھی تھی واقعہ سے نماز کا کوئی خاص تعلق نہ تھا دیسے پڑاؤ پر پڑاؤ والوں نے یا خود رسول اللہ صلعم نے جماعت کے ساتھ جو نمازیں پڑھی تھیں ان کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حدیث میں نماز کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ مگر الزام نماز کا ذکر چھوڑنے کا نہیں ہے بلکہ نمازوں کے وقت حضرت عائشہ کو رسول اللہ صلعم نے یاد نہیں فرمایا اس پر اظہار تعجب ہے۔ البتہ جب حضرت عائشہ ہار ڈھونڈ کر آئیں تو اب تو ضرور غلس کا وقت ہوگا۔ اب جو یہاں آکر سناٹا دیکھ کر وہ کچھ دیر تک گھبراتی رہی ہونگی۔ اس کے بعد بیٹھ کر کچھ سوچتی رہی ہونگی راوی یہ بھی نہیں کہتا ہے کہ وہ زبان سے یا دل ہی دل میں اللہ تعالےٰ سے دعائیں کرنے لگیں۔ بلکہ فجر کی نماز تک نہیں پڑھی اور چادر تان کر سو رہیں۔

شاید یہ کہا جائے کہ اس وقت تک نماز فجر کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اس لئے غلبہ نوم کے باعث سو رہیں۔

تو کم سے کم جب صفوان میں معطل کے استرجاع (انا للہ پڑھنا) کو سن کر اٹھیں تو اب تو فجر کی تضا من نام عن صلوٰۃ فرمان نبوی کے مطابق ان کو اس وقت سب سے پہلے تیمم کر کے فجر کی نماز پڑھ لینی تھی۔ اس کے بعد صفوان کے اونٹ پر سوار ہوتیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ

ان دس شواہد عوامل کو جو اسی حدیث کے الفاظ (عبارت) میں اتمام حجت کے لئے بیٹھے ہیں ان کو پڑھیے مگر پہلے حدیث مذکور پوری طرح سمجھ لینے کے بعد۔ اس کے بعد روایت پرستی سے الگ ہو کر صرف انصاف و دیانت کی رو سے خدا لگتی بات کہ کیا حدیث افک خود سراپا افک نہیں ہے؟ اور اس حدیث کا گھڑنے والا کیا منافق نہیں ہے۔

ابھی اس حدیث کے کذب و افترا ہونے کے دلائل ختم نہیں ہوئے ہیں دلائل تو بہت ہیں مگر طوالت سے بچنے کے لئے ایک اور حدیث لکھ کر اس کو ختم کرتا ہوں

بخاری کی دوسری حدیث

اور یہی دوسری حدیث ہے جو صحیح ہے اور اسی صحیح حدیث پر حدیث افک کی بنیاد منافقین نے رکھی ہے یہ حدیث بھی صحیح بخاری ہی کی ہے اور باب التیمم کی پہلی حدیث ہے اس کے راوی ابن شہاب زہری نہیں ہیں بلکہ امام مالک ہیں، امام بخاری لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ہم نے متن حدیث حذف کر دیا ہے۔ (طلوع اسلام)

حضرت عائشہ زوجہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کہتی ہیں کہ ہم کسی سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ جب ہم بیداء میں یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ڈھونڈنے کے لئے قیام کر دیا۔ اور لوگ بھی آپ کے ہمراہ ٹھہر گئے، اور اس مقام میں کہیں پانی نہ تھا لہٰذا لوگ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نہیں دیکھتے کہ عائشہ نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کو ٹھہرا لیا اور ان کے ہمراہ پانی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ابوبکر نے مجھ پر غصہ کیا، اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہیں، وہ انہوں نے کہا اور اپنے ہاتھ سے میرے کوکھے میں ٹھوکا دیا۔ تو مجھے چونکہ میرے زانو پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سر تھا اس کے سوا کسی بات نے مجھکو حرکت کرنے سے نہ روکا پھر صبح کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھے بے پانی کے مقام پر تو اللہ بزرگ و غالب نے تیمم کی آیت نازل فرمائی تو اسید بن حضیر نے کہا کہ اے آل ابوبکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے (یعنی تم لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالے نے امت محمدیہ کو اس سے پہلے اور بھی برکتیں دی ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس اونٹ پر میں تھی جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار مل گیا۔

اس روایت میں راوی سب کے سب ثقہ اور حجت ہیں۔ حضرت عائشہؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں۔

جس سے مقصود اپنا واقعہ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ حکم تیمم کب ہوا اور کیوں ہوا۔ اس کا بیان کرنا مقصود تھا۔ اسی لئے اس سفر کا تو ذکر نہ فرمایا کہ وہ کون سا سفر تھا۔ مگر جس مقام کا واقعہ تھا اس مقام کا ذکر فرمایا۔ مگر شک کے ساتھ "بَیْدَاء ... یا ذات الجیش۔" "بیداء" اس بلند مقام کا نام ہے جو ذوالحلیفہ کے آگے تھا اور مکے کی راہ میں پڑتا تھا۔ اور "ذات الجیش" ذوالحلیفہ کے اس پار واقع ہے مدینے سے قریب اور اس کے متعلق محدثین کے متعدد اور مختلف اقوال ہیں مگر اکثر محدثین نے اس سفر کو غزوہ بنی المصطلق یعنی غزوہ مریسیع ہی قرار دیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی سیرت عائشہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۰۰ میں اس واقعے کو واقعہ افک کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق ہی کا واقعہ لکھا ہے۔ زیادہ تر محدثین یہی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق ہی کا ہے۔ بعضوں نے اختلاف کیا ہے مثلاً نووی وغیرہ مگر امام نووی کے وجوہ اختلاف کا لوگوں نے جواب بھی دیا ہے میرے نزدیک اس حدیث تیمم میں جس کو میں صحیح سمجھتا ہوں سفر کی تعیین نہیں ہے۔ اسی لئے کہ حالات سفر بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔ آیت تیمم کے نزول کا واقعہ بیان کرنا مقصود تھا۔ اور جس مقام پہ یہ آیت اتری تھی اس مقام کا ذکر فرمایا۔ دو مقاموں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ دونوں قریب ہی قریب تھے ایک تھوڑی بلندی پر واقع تھا وہ دوسرا اس کے نیچے تھوڑے فاصلے پر رات کا وقت تھا اور صبح کو نماز کے بعد کوچ کی تیاری تھی حضرت عائشہ عورت ذات تھیں۔ صحیح طور سے مقام کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ پھر اس مقام پہ اقامت کی وجہ جو ہار کے ٹوٹ کر گر جانا تھا اس کا بھی ذکر کر دیا۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہار منگنی کا نہ تھا بلکہ حضرت عائشہ ہی کا تھا۔ حضرت عائشہ کی فطری رو اولوالعزمی و منصبی خودداری کے خلاف تھا کہ وہ منگنی کا زیور پہن کر کہیں جاتیں۔ بلکہ وہ کوئی رکھاؤ زیور کی طرح بھی نہ تھا جس کو کبھی کبھار نمائش کے موقع عورتیں پہن کر نکلتی ہیں۔ بلکہ دن رات وہ ہار ان کی گردن میں رہتا تھا اس لئے سفر میں بھی اسی طرح گردن میں پڑا رہا۔ بخوبی ممکن ہے کہ یہ ہار حضرت صدیق اکبر نے ان کو جہیز میں دیا ہو۔ افک والی مکذوبہ روایت جو صحیح بخاری میں ہے اس میں تو اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ ہار منگنی کا تھا۔ اپنی بہن حضرت اسماء سے منگنی مانگ کر پہن کر آئی تھیں۔ یہ صحاح سے باہر کی روایتیں ہیں جن میں بڑی تفصیل ہے بعض میں ساربان کا نام بھی مُوَیْہِبَہ بتایا ہے جو غزوہ مریسیع میں شریک تھے اور حضرت عائشہ کے اونٹ کے ساربان وہی تھے۔ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ فغلبت فَاَتْبَعْتُهُمْ حَتّٰى اَعْيَيْتُ، فَقُمْتُ، علٰى بعض الطریق فَمَرَّ بِیْ صفوان" یعنی میں جب ہار ڈھونڈھ کر آئی تو قافلہ کو نہ پا کر ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ تھک گئی تو راستے کے بعض حصے پر کھڑی ہو گئی تو میرے پاس صفوان بن معطل گذرے" یعنی جو کمزوری صحاح کی روایتوں میں تھی اس کو بعد والوں نے محسوس کر کے بعض کمزوریوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ اسی طرح ہار کے متعلق بھی بعضوں نے یہ بڑھا دیا کہ اپنی بہن اسماء سے مانگ کر لائی تھیں جس سے ان کی ہمتی اور

زیبائش و آرائش کی ہوس ثابت ہو۔ اور پھر اک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کان فی عنقی عقد من جزع ظفار کانت امی ادخلتنی بہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "میری گردن میں ایک ہار تھا جزع ظفار[1] کا میری ماں نے جس کو پہنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھ کو رخصت کیا تھا" یعنی ان کی رخصتی کے وقت ان کو جہیز میں یہ ہار ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام رومان نے دیا تھا۔ (فتح الباری ج ۱۹ ص ۲۶۶)۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ کسی نے تو اس ہار کو ان کا اپنا جہیز والا ہار قرار دیا اور جس کو ان پہ دنائت اور دولت ہمتی وحرص وہوا کا الزام بھی رکھنا تھا اس نے اس ہار کو منگنی کا ہار قرار دیا۔

اور صفوان بن المعطل کے متعلق بخاری ہی تواسی حدیث کے سلسلے میں آگے یہی ابن شہاب زہری حضرت عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں جن سے ان کا سماع حدیث ثابت نہیں مگر بقول ابن حجر محدثین نے اس پر اجماع کرلیا ہے کہ ابن شہاب نے ضرور اُن سے حدیثیں سنی ہیں انہیں عروہ سے وہ ایک لمبی داستان نقل کرتے ہیں، اس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کے متعلق فرمایا کہ ولقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیراً "میں تہمت باندھنے والوں نے ایسے شخص کا نام لیا ہے میں جسکے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا"[2]

مگر جلد ۱۹ ص ۲۶۶ فتح الباری میں سنن ابی داؤد و بزاز و ابن سعد و صحیح ابن حبان۔ و مستدرک حاکم کے پانچ حوالوں سے سلیمان الاعمش الکوفی مشہور شیعہ محدث کی روایت سے نقل کیا ہے اعمش ابوصالح سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوسعید خدری سے کہ صفوان بن المعطل کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نالش کی کہ یارسول اللہ میرا شوہر مجھ کو مارتا ہے جب میں نماز پڑھتی ہوں، اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ توڑ دیتا ہے۔ اور فجر کی نماز جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے کبھی نہیں پڑھتا۔ اور یہ نالش ایسے وقت میں کی گئی کہ صفوان وہاں پر موجود تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے پوچھا۔ تو صفوان نے کہا کہ اس کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو یہ مجھکو مارتا ہے تو یہ دو دو سورہ پڑھا کرتی ہے حالانکہ میں نے اس کو منع کردیا ہے کہ نماز میں دو دو سورہ نہ پڑھا کرے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو یہ میرا روزہ توڑ دیتا ہے۔ تو میں ایک جوان مرد ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ اور اس کا یہ کہنا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جاتے میں نماز پڑھتا ہی نہیں تو میں ایسے خاندان سے ہوں جو اس بات میں مشہور ہے۔ ہم لوگ طلوع آفتاب سے پہلے کبھی اٹھتے ہی نہیں۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن بزاز نے کہا کہ ھذا الحدیث کلامہ منکر ولعل الاعمش

---

[1] ظفار ایک بستی کا نام تھا یمن کے اس علاقے میں جو ہند کی طرف رُخ رکھتا ہے۔ اور جزع سیاہ و سفید مہروں کو کہتے ہیں۔ سنگ سلیمانی کے دانے جیسے ۱۲ [2] فتح الباری ج ۱۹ ص ۲۶۹

اخذہ من غیر ثقہ فدلسہ فصار ظاہر سندہ الصحۃ ولیس للحدیث عندی اصل۔ یعنی "اس حدیث کا مفہوم منکر ناقابل قبول ہے غالباً اعمش نے کسی غیر ثقہ شخص سے اس حدیث کو لیا اور نام کو بدل دیا تو اس کی سند صحیح بن گئی۔ میرے نزدیک اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔" اتنا لکھ کر پھر ابن حجر نے اس روایت کی صحت پر زور دیا ہے اور ابوداؤد کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ اس حدیث کو اعمش ہی سے روایت نہیں کرتے ہیں بلکہ بقول ابوداؤد حماد بن مسلم سے اور وہ ابو المتوکل سے بھی اسکو روایت کرتے ہیں اس لئے ابوداؤد کا شمار چونکہ صحاح ستہ میں ہے اس لئے ابوداؤد کی اس روایت پر بھی تنقیدی نظر ڈال لینی مناسب ہے۔ صحاح سے باہر کی حدیثوں کی وہ اہمیت نہیں کہ خواہ مخواہ ان کی تنقید میں وقت ضائع کیا جائے بزار وغیرہ کے پاس یہ حدیث اعمش کے ذریعہ پہنچی ہے اور اعمش مشہور شیعے تھے عمن بن زائدہ اور عبداللہ بن المبارک نے فرمایا ہے اَفسَدَ حدیث اھل الکوفۃ ابواسحٰق و اعمشکم ھذا اہل کوفہ کی حدیثوں کو ابواسحٰق نے اور تمہارے اعمش نے برباد کیا۔ دیکھئے میزان الاعتدال جلد اول ص۲۲۴ اور ص۲۳ غرض یہ مفسدین حدیث میں سے تھے۔ تو پھر مدلس ہونا تو ان کے لئے معمولی سی بات ہے۔ مگر ابوداؤد میں اعمش کا نام نہیں ہے ابوداؤد اس کو روایت کرتے ہیں عثمان بن ابی شیبہ سے اور وہ جریر بن عبدالحمید سے اور وہ ابوصالح سے اور وہ ابوسعید بن حذری سے تو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی قرآن مجید میں تحریف کیا کرتے تھے۔ الم ترکیف فعل ربک باصحٰب الفیل ۝ کو پڑھتے آلم ترو۔ یعنی حروف مقطعات بنا کر۔ سورہ یوسف میں جو ہے وجعل السقایۃ فی رحل اخیہ۔ اس کو پڑھتے تھے وجعل السفینۃ۔ اور فضرب بسور لہ باب کو پڑھتے تھے فضرب بسنّور لہ ناب اور کوئی ٹوکتا تھا تو کہتے تھے کہ میں نافع کی قراءت سے قرآن نہیں پڑھتا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ نافع کی قراءت سے قرآن نہیں پڑھتے تھے مُنھی کی قراءت سے پڑھتے تھے جو ان کے ایمان بالقرآن کے حق میں سخت مضر تھا۔ یعنی ابلیس کی قراءت سے پڑھتے تھے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ لعلہ تاب شاید اس نے توبہ کر لی ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر بلا ثبوت محض حسن پر تو نقد و حجت نہیں سمجھ لیا جا سکتا۔ جس شخص کا یہ برتاؤ کتاب اللہ کے ساتھ ہو اس کا برتاؤ حدیث رسول اللہ کے ساتھ کیسا ہوگا۔ خود اپنے اسلامی ضمیر سے پوچھئے۔ ان کے بعد جریر بن عبدالحمید کا نام آتا ہے۔ یہ بھی کوفی ہی ہیں رے کے قاضی ہوئے تو رازی بن گئے۔ بعض صحابہ کی بدگوئی کرتے تھے۔ مدلس تھے۔ اور تدلیس کہتے ہی ہیں متن حدیث میں یا راویوں کے نام میں بالقصد جانتے بوجھتے ردوبدل کر دینے کو۔ اسی لئے محدثین تدلیس کو کذب کہتے ہیں۔ جو مدلس ہوگا وہ ضرور کاذب ہوگا۔

ان کے بعد ابوصالح کا نام آتا ہے۔ ان کا اصل نام باذام یا باذان تھا۔ یہ ام ہانی بنت ابوطالب یعنی

حضرت علی کی بہن کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی ان سے روایات نہیں کرتے تھے ابوحاتم نے ان کو لا یحتج بہ لکھا ہے ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں لم اعلم احدا من المتقدمین رضیہ میں نہیں جانتا کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی ان کو پسند کیا ہو۔ امام شعبی ان کا کان پکڑ کر چھوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن کی تفسیر روایت کرتا ہے اور قرآن یاد نہیں رکھتا ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ مجھ سے خود اس نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے جتنی حدیثیں تم سے بیان کی ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔ اگرچہ کلبی خود بھی مشہور کذاب تھا۔ جوزقانی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ازدی نے اس کو کذاب کہا ہے "حضرت عبداللہ بن عباس سے تفسیری حدیثیں روایت کرتا تھا حالانکہ اس نے کبھی ایک حرف بھی نہیں سنا اکثر محدثین نے اس کو ضعیف اور لیس بالقوی وغیرہ کہا ہے۔ اس لئے اگر اس سلسلے میں اعمش کا نام نہ ہوتا تو کیا ہے کئی اعمش اس میں موجود ہیں۔ اور وہ اعمش بھی تو ابو صالح ہی سے روایت کرتے ہیں۔

باقی رہا ابو داؤد کا یہ لکھنا کہ اس کو حماد بن سلمہ نے بھی فلاں بن فلاں کر کے روایت کیا ہے۔ تو ابوداؤد نے اس کو خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے۔ خود وہ حدثنا وغیرہ کہہ کر اس سلسلے سے روایت نہیں کر رہے ہیں۔ پھر ابوالمتوکل البصری نے کس سے سنا اس کا ذکر نہیں ہے ابوالمتوکل کی وفات ۱۰۸ھ میں یا ۱۰۲ھ میں ہے۔ اس لئے کس سے سنا یہ مذکور نہیں۔

غرض راویوں کے اعتبار سے یہ حدیث ہرگز قابل استناد نہیں ہے۔ بزاز نے بہت صحیح لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے درحقیقت یہ حدیث کوفے کی ٹکسال میں اس لئے گھڑی گئی ہے کہ حضرت صفوان بن المعطل کی دینی و اخلاقی حالت اور خواہش نفسانی پر قابو نہ رکھنے کا ذکر کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ ان کی بیوی روزہ دار ہوتی تھیں مگر یہ اپنی خواہش نفس کے آگے ان کے روزے اور انکی روزہ داری کا مطلق احترام نہیں کرتے تھے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا ان کے متعلق تین تین برائیاں بیان کی گئیں جن برائیوں کا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا ان کی بیوی کی شکایت سے اور پھر خود ان کے اعتراف سے۔ پھر بھی آپ نے کہا کہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس منافقانہ ذہنیت کی حدیث کہ تہہ تک بزاز پہونچ گئے تھے اس لئے اس حدیث کی اصلیت سے انکار کیا دوسرے لوگ روایت پرستی کے جذبے سے اسقدر مغلوب تھے جو اس روایت کی خباثت معنوی و باطنی کو نہ سمجھ سکے۔

غرض اللہ تعالےٰ روایت پرستی کا برا کرے کہ کیسے کیسے ائمہ محدثین و مجتہدین و مفسرین محض اپنے حسن ظن اور نیک نیتی کی وجہ سے منافقین عجم کے دام تزویر میں آگئے اور ان کے ریائی زہد و ورع کو دیکھ کر انکی ایسی حدیثوں

کو قبول کر لیا جن میں نفاق اور کذب و افترا کا رنگ کافی حد تک نظر آ رہا تھا۔

حقیقت یہی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق "افک" کا واقعہ محض کوفی و بصری و مصری باغیانِ اسلام۔ منافقین عجم۔ قاتلین حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنواؤں کا گھڑا ہوا ہے اور اس کے متعلق زیادہ روایتیں کوفہ ہی کی ٹکسال میں گھڑی گئیں۔ جن کے گھڑنے اور پھیلانے کا آغاز تقریباً ۳۵ھ ہجری کم و بیش سے شروع ہوا۔ اور ان روایتوں کو محدثین و مفسرین و مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کر کے اس مکذوب و مفتری اور من گھڑت داستان کو متواتر حدیث کا درجہ دے دیا۔

طلوعِ اسلام

علامہ صاحب نے افسانۂ افک سے متعلق روایت کے صرف اتنے حصے سے بحث کی ہے جس کا تعلق ہار گم ہو جانے اور حضرت عائشہؓ کے قافلہ میں دیر سے پہنچنے سے ہے۔ روایت کے باقی حصہ سے انہوں نے بحث نہیں کی۔ غالباً اس لئے کہ جب اس واقعہ کی بنیاد ہی جھوٹی قرار پا گئی تو اس پر اٹھائی ہوئی عمارت کے جھوٹا ثابت کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن جب تک روایت کا باقی حصہ سامنے نہ لایا جائے، اس سازش کی گہرائی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ روایت کے باقیماندہ حصے کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے چند الفاظ تمہیداً ضروری ہیں۔

سورۂ نور میں ہے کہ جو لوگ پاکدامن عورتوں پر ناحق تہمت لگائیں تو ان کی سزا اسّی کوڑے ہے اور اس کے بعد ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ الزام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے۔ اس کے بعد قرآن نے یہ بتایا ہے کہ اگر کہیں ایسا واقعہ ہو جائے کہ کسی پاکدامن عورت کے خلاف تہمت لگائی جائے تو اس باب میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔ اور یہ ہدایات اس واقعہ کو سامنے لا کر دی گئی ہیں۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مدینہ کے اس واقعہ میں تہمت کس کے خلاف لگی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کا واقعہ (معاذ اللہ) حضورؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے متعلق ہوتا تو قرآن اس کا بیان تصریحاً کرتا۔ جیسا کہ اس نے ازواج مطہرات سے متعلق کئی ایک باتوں کا ذکر تصریحاً کیا ہے۔

قرآن نے یہ کہا ہے کہ اگر اس قسم کی تہمت کی بات مشہور ہو جائے تو مسلمانوں کا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کہیں کہ هٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ۔ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ (۲۴/۱۲، ۱۶) قرآن نے یہ اصول بیان

فرمایا ہے کہ جب تک ملزم کے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے اس کے متعلق حسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے۔ پھر ذمہ دار اربابِ معاشرہ اس معاملہ کی تحقیق کرکے کسی نتیجہ پر پہنچیں۔ قرآن میں صرف اتنی بات مذکور ہے۔ لیکن دیکھئے کہ روایات نے اس میں کیا کیا رنگ بھرے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے قافلہ تک پہنچنے کا ذکر روایت میں آچکا ہے۔ اس کے بعد بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔

قافلہ میں سے بعض لوگوں نے مجھ پر اور صفوان پر تہمت لگائی اور ہلاکی کا سامان کیا اور جس نے پہلے پہل اس تہمت کی بنیاد ڈالی تھی وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ میں جب مدینہ میں آئی تو بیمار ہوگئی اور ایک مہینہ تک ایسی ہی رہی اور لوگ اس (بہتان) کی شہرت کرتے تھے۔ لیکن مجھے کچھ خیال نہ تھا فقط افسوس یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سا لطف و کرم اپنے پر نہ دیکھتی تھی۔ بیماری کی حالت میں آپ آتے اور پوچھتے اور فوراً چلے جاتے میرے پاس نہ بیٹھتے اس سے یہ خیال ہوا کہ آپ ناراض ہیں جب مجھے کچھ افاقہ ہوا تو رات کو اپنے ساتھ ام مسطح کو لے کر مناصع میں (جو ایک جنگل مدینہ سے باہر ہے) رفع حاجت کو گئی (اس زمانہ میں پہلے عربوں کی طرح پاخانہ جنگل ہی میں پھرتے تھے اور مکان کے قریب پاخانہ بنانے کو بُرا سمجھتے تھے) وہاں سے آئی آتے میں ام مسطح کی چادر ان کے پیروں میں الجھ گئی۔ اس وقت انھوں نے یہ کہا ہلاک ہو مسطح میں نے کہا تو نے برا کہا یہ تو ایسا شخص ہے جو بدر میں موجود تھا۔ اس نے کہا اے بھولی بھالی تو نے سنا نہیں اس نے کیا کہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا؟ اس نے کہا اس نے تیرے اوپر تہمت لگائی ہے اس کے سننے سے میرا مرض اور بڑھ گیا جب میں گھر آئی تو میرے پاس رسول خدا آئے اور حال دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں میرا اس خیال سے کہ دیکھوں انھیں بھی اس تہمت کی خبر ہے یا نہیں[1] آپ نے اجازت دیدی اور میں اپنے ماں باپ کے گھر آگئی اور ماں سے کہا اے اماں دیکھو لوگ کیا کہتے ہیں انھوں نے کہا اس کا کچھ فکر مت کر بخدا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی بیوی خوبصورت ہو اور وہ اس سے محبت کرے تو اس کی اور بی بیاں ایسی باتیں لگایا کرتی ہیں۔ میں نے کہا واہ سبحان اللہ لوگوں نے تو کچھ بیر افواہ اڑا رکھی ہے اور آپ خفیف سی بات خیال کرتی ہیں۔ اور میں اس رات برابر روتی رہی۔ ایک دم کو آنسو نہ رکا اور نہ نیند آئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور اسامہ بن زید کو بلوایا اس وقت تک کوئی میرے بارے میں وحی نہیں اتری تھی اور ان سے میرے علیٰحدہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اسامہ نے بوجہ اس کے کہ وہ اہل بیت سے محبت رکھتے تھے ان کو پاک و نیک سمجھتے تھے یہ کہا کہ یا رسول اللہ عائشہ بڑی نیک ہیں۔

---

[1] اس سے آگے چند روایات کے بعد ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ دونوں کو اس تہمت کا علم تھا۔ (طلوع اسلام)

ہم نے تو سوائے اچھی بات کے ان میں کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ لیکن علی نے کہا کہ یا رسول اللہ اس قدر آپ کیوں رنج کرتے ہیں آپ کے لئے اللہ نے تنگی نہیں کی اور بہت سی نیک بی بیاں ہیں اور اگر آپ بریرہ باندی سے پوچھیں گے تو وہی ٹھیک ٹھیک بتا دے گی پھر آپ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا اے بریرہ تو نے (عائشہ کی) کوئی بات ایسی دیکھی ہے جس سے تجھے کچھ شبہ ہوا ہو۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق پر بھیجا ہے میں نے کوئی بات نہیں دیکھی جو اس کو چھپاؤں بجز اس کے کہ وہ (عائشہ، کم عمر سیدھی سادھی ہیں۔ (ایسا ہوتا ہے) کہ آٹا گوندھ کر ویسے ہی چھوڑ کر سو جاتی ہیں بکری آ کر کھا لیتی ہے اس روز آنحضرت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کوئی ایسا ہے جو اس شخص (عبداللہ بن ابی) سے (جس نے تہمت لگائی اور میرے اہل کو تکلیف اور رنج دیا) میرا بدلہ لے۔ بخدا میں عائشہ کی بھلائی کے سوا کوئی برائی نہیں جانتا۔ اور تہمت لگانے والوں نے ایسے شخص (یعنی صفوان) کی بابت کہا ہے جس کی برائی دیکھی ہی نہیں گئی اور جب کبھی میرے گھر جاتا تو میرے ساتھ جاتا۔ اس وقت سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس شخص سے میں بدلہ لوں گا اگر وہ قبیلہ اوس میں کا ہے تو اس کی گردن ماروں گا اور اگر ہمارے ہی قبیلہ خزرج کا ہے تو جو آپ فرمائیں گے وہی کروں گا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ اس وقت سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کا سردار تھا کھڑا ہو گیا۔ اور یہ شخص اس سے پہلے بڑا صالح اور نیک تھا لیکن اس وقت اس کو خزرج کے قبیلہ کی حمیت نے ستایا اور سعد بن معاذ سے کہا کہ تو نے جھوٹ بولا قسم ہے تو ہرگز نہیں مار سکتا پھر اسید بن حضیر جو سعد کا چچا زاد بھائی تھا اٹھا اور سعد بن عبادہ سے کہا کہ تو نے جھوٹ بولا ہم اس شخص کو ضرور ماریں گے تو منافق ہے جو منافقوں کی طرف سے لڑتا ہے اور ان میں سخت تکرار ہونے لگی قریب تھا کہ جنگ و جدال ہو جائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے اور ان کو چپ کرا رہے تھے آخر کار یہ خاموش ہو گئے عائشہ کہتی ہیں کہ میں اس روز بھی روتی رہی اور رات کو نیند تک نہ آئی میں دو رات اور ایک دن برابر روتی رہی صبح کو میرے پاس میرے ماں باپ آئے اور خیال کیا کہ روتے روتے کہیں اس کا دل نہ پھٹ جائے۔ یہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصار کی عورت نے آنے کی اجازت چاہی میں نے بلا لیا وہ بھی میرے پاس آ کر رونے لگی اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آ کر بیٹھ گئے اور جب سے تہمت لگائی گئی تھی میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے اور مہینہ بھر گذر چکا تھا مگر میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی آپ نے بیٹھ کر فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور فرمایا اے عائشہ تیری وجہ سے مجھے ایسا ایسا (یعنی بہت) رنج ہوا اگر تو بری ہے تو اللہ تیری برات (یعنی کچھ نہ کچھ ضرور) اتارے گا اور اگر تجھ سے قصور ہو گیا ہے تو استغفار کر اور توبہ کر کیونکہ بندہ جب اپنے قصور پر معترف ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس پر مہربانی کرتا ہے جب آپ یہ کہہ چکے تو (غصہ سے) میرے آنسو خشک ہو گئے حتیٰ کہ ایک بھی نہ رہا۔ پھر میں والد سے کہا کہ رسول اللہ کو اس کا جواب دو انھوں نے کہا بخدا

میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں (میری کیا مجال اور نہ مجھے ٹھیک معلوم ہے) پھر میں نے والدہ سے کہا انھوں نے بھی یہی کہدیا اس وقت میں نے کہا (اور میں کم عمر تھی قرآن شریف اچھی طرح سے یاد نہ تھا) کہ میں جان چکی ہوں کہ تمہارے دلوں میں (جو کچھ لوگوں سے سنا ہے) بیٹھ چکا ہے اور اس کو تم نے سچا جان لیا ہے اب اگر میں اپنے آپ کو اس سے بَری کہوں تو تم یقین نہ کروگے اور اگر اقرار کروں اور اللہ جانتا ہے میں بَری ہوں تب تم سچا سمجھ لوگے اور اس کا یقین کرلوگے بخدا تمہارے لئے اور کوئی مثال معلوم نہیں ہوتی بجز یوسف کے باپ[1] کی مثال کے کہ انھوں نے کہا تھا (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ[2]) پھر میں اپنے بستر جا لیٹی اور اس وقت میں خیال کر رہی تھی کہ میں (اس تہمت سے) بَری ہوں اور اللہ میری بریت ضرور ظاہر کرے گا لیکن گمان بھی نہ تھا کہ اللہ میرے بارے میں وحی نازل کرے گا بھلا میں اس قابل کہاں لیکن یہ خیال تھا اور امید کرتی تھی کہ رسول اللہ کو اللہ خواب میں میری براءت دکھا دے گا بخدا ابھی آپ اٹھے بھی نہ تھے اور جو وہاں موجود تھے ان میں سے بھی کوئی نہیں گیا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی اور جو اضطرابی حالت و کیفیت وحی کے وقت ہوتی تھی ہوئی اور پسینہ ٹپ ٹپ ٹپکنے لگا جب وحی اتر چکی تو آپ ہنسے اور سب سے پہلے یہ کہا کہ اے عائشہ اللہ نے تجھے بَری (ظاہر) کر دیا۔ مجھ سے میری اماں نے کہا کہ حضرت کے پاس جا اور سلام کر (اور ان کا شکریہ بجا لا) میں نے کہا میں نہیں جاتی اور سوائے اللہ کے کسی کی تعریف (شکر) نہیں کرتی اللہ نے سورۂ نور کی دس آیتیں اتاریں۔ اس آیت (اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ) سے لیکر (وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ) تک۔"

آپ اس افسوس ناک اور نہایت کرب انگیز روایت پر غور کیجئے اور سوچئے کہ اس سے خود نبی اکرمؐ کے متعلق دشمنانِ اسلام کس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ غور طلب امور یہ ہیں کہ

(۱) قرآن کریم نے عام مسلمانوں سے تاکید کی ہے کہ اگر وہ اس قسم کی بات سنیں تو ان کا پہلا ردِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ لیکن اس روایت کی رو سے خود نبی اکرم

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنا غصہ رنج و افسوس تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ آیا اور جلدی میں یوسف کا باپ کہہ کر بات پوری کی ۱۲۔

[2] ترجمہ۔ اچھا صبر ہی بہتر ہے اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں خدا ہی سے مدد مطلوب ہے۔" یہ جملہ حضرت یعقوب نے اس وقت فرمایا جب کہ ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ (اپنے چھوٹے بھائی) کی قمیض پر خون لگا کر لائے اور کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے خلاف تہمت لگتی ہے اور رسول اللہؐ کا ردعمل یہ ہے کہ آپ (اگر اسے یقینی طور پر سچ نہیں سمجھتے تو کم از کم) شک میں ضرور پڑ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس بیمار بیوی کو اس کے میکے بھیج دیتے ہیں۔ جہاں اس کی حالت' اس صدمے کی وجہ سے' غیر سے غیر ہوتی چلی جاتی ہے

(۲) حضورؐ' نہ صرف یہ کہ اس پاکدامن بیوی کو صفائی کا موقع نہیں دیتے۔ اسے اس کی اطلاع تک بھی نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ وہ اسے محض اتفاقاً کسی عورت کی زبان سے سنتی ہے۔

(۳) رسول اللہؐ اس کی تحقیق کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ قرآن نے کہا تھا کہ الزام لگانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار گواہ پیش کریں۔ آپ اس کا تقاضا بھی نہیں کرتے۔ اگر آپ پوچھتے بھی ہیں تو اپنی بیوی کے متعلق دوسروں سے پوچھتے ہیں۔

(۴) آپ کرتے بھی ہیں تو اتنا کہ منبر پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اس شخص سے میرا بدلہ کون لیگا جس نے میرے اہل پر تہمت لگا کر مجھے تکلیف پہنچائی۔ اس کے بعد جب بات بڑھ جاتی ہے تو لوگوں کو خاموش کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن نے یہ کہا تھا کہ اگر تہمت لگانے والا الزام ثابت نہ کر سکے۔ تو اسے سزا دی جائے

(۵) ذرا اس نازک پہلو پر بھی غور کیجئے کہ اگر کسی شخص کی بیوی کے خلاف اس قسم کا الزام لگے اور وہ اس بات کو دل میں رکھ لے۔ بیوی کو میکے بھیجدے اور اس کے بیمار ہونے کے باوجود اس کے پاس تک نہ بیٹھے تو اس بیوی کے کردار کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی۔ ایک طرف اس کا خاوند یہ کچھ کرے۔ اور دوسری طرف اس کے ماں باپ بھی یہ سب کچھ سن کر خاموش بیٹھے رہیں اور بیٹی کو اس صدمے سے اندر ہی اندر گھلنے دیں۔

(۶) رسول اللہؐ کا عمل امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اس روایت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اس کے مطابق' ہمیں بھی یہ کرنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص کسی کی بیوی پر تہمت لگائے تو وہ اس بات کو دل میں بٹھا لے۔ کوئی تحقیق نہ کرے۔ بیوی کو اس کے میکے بھیجدے مہینہ بھر تک اس کی بات نہ پوچھے۔ خاموش انتظار کرتا رہے تاآنکہ خدا اس پاکدامن کی بریّت ثابت کر دے۔ اگر خدا کی طرف سے ایسی شہادت نہ آئے تو پھر بیوی کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے' تاآنکہ وہ گھل گھل کر مر جائے۔

یہ ہے افک سے متعلق روایت۔ اور یہ ہیں اس روایت کے عواقب۔ ہمارا روایت پرست طبقہ اس بات کو فخر سے بیان کرتا ہے کہ حضرت عائشہ کی پاکدامنی کی شہادت خود خدا نے دی۔ لیکن نہیں سوچتا کہ اس باب میں خود رسول اللہؐ کی طرف جن باتوں کو منسوب کیا گیا ہے اس سے حضورؐ کی (معاذ اللہ) کیا پوزیشن سامنے آتی ہے۔ اور یہ روایات ہماری ان کتابوں میں درج ہیں جنہیں آسمان کے

نیچے صحیح ترین کتابیں مانا جاتا ہے اور جس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ اگر ان کی صداقت میں شبہ کیا جائے تو یہ انکار سنت ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کتاب —— قرآنی فیصلے —— کی دوسری جلد بھی شائع ہو گئی

اس جلد کے بعض عنوانات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ خدا کے قانون اور رضا میں کیا فرق ہے۔
۲۔ سبت السبت مجذوب کیسے بن جاتے ہیں۔
۳۔ کیا نبی اکرم کا سایہ نہ تھا؟
۴۔ کیا رسول اللہ علم غیب جانتے تھے؟
۵۔ کیا حضور کا معراج جسمانی تھا؟
۶۔ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔
۷۔ قرآن کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب سے نازل ہوتی تھیں اسی ترتیب سے قرآن میں کیوں نہ رکھی گئیں
۸۔ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ۔
۹۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ قرآن محفوظ ہے۔
۱۰۔ مصحف عثمان کے نسخے کہاں ہیں۔
۱۱۔ قرآن کے ترجموں میں اختلاف کیوں ہے۔
۱۲۔ احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے
۱۳۔ تاریخ اور قرآن کا تعلق کیا ہے۔
۱۴۔ ہماری تاریخ میں کیا ہے۔
۱۵۔ کیا ہماری تاریخ قابل اعتماد ہے۔
۱۶۔ یزید کی بخشش کے متعلق حدیث
۱۷۔ یزید کی بیعت میں سیکڑوں صحابی شریک تھے۔ کیا یہ ٹھیک
۱۸۔ اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کی پوزیشن کیا ہے۔
۱۹۔ مرکز ملت کی اطاعت اور رسول اللہ کی اطاعت میں کیا فرق ہے
۲۰۔ مرکز ملت سے مراد کیا ہے۔
۲۱۔ کیا شرعی سزاؤں میں کمی بیشی ہو سکتی ہے
۲۲۔ کیا عمر گھٹ بڑھ سکتی ہے
۲۳۔ کیا صدقہ و خیرات سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔
۲۴۔ امام مہدی کا مذہب کیا ہوگا۔
۲۵۔ کیا حضرت عیسےٰ واپس تشریف لائیں گے
۲۶۔ بہائیت اور مرزائیت میں کیا فرق ہے
۲۷۔ پاکستان میں پیری مریدی کیوں فروغ پر ہے۔
۲۸۔ وقف علی الاولاد کے متعلق کیا حکم ہے
۲۹۔ کیا حق شفع کا حکم قرآن میں ہے
۳۰۔ حلالہ کے متعلق کیا حکم ہے۔

اس جلد میں یہ اور اس قسم کے اور بے شمار عنوانات آگئے ہیں

صفحات سوا تین سو۔ بکس بورڈ کور۔

چیپ ایڈیشن

قیمت سوا تین روپے (علاوہ محصول ڈاک)

جلد فرمائش بھیجئے کیونکہ فرمائشوں کی تعمیل ترتیب وار ہوگی۔

ادارہ طلوع اسلام۔ ۲۵/بی۔ گلبرگ۔ لاہور

ابوالخیر کشفی

اکبر کے "الحاد" میں علماء کا حصہ

یہ مضمون میں نے طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۶۳ء کے لئے بڑی حد تک مرتب کر لیا تھا۔ اس درمیانی عرصہ میں جن حالات سے گزرا ہوں اُن سے احباب بے خبر نہیں۔ یہ قرآن کی عظمت کا فیض تھا کہ میں طوفانِ بلا سے دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر آگے بڑھتا گیا۔

اس عرصہ میں اس مقالہ کے کئی حوالے گم ہو گئے۔ ہاں خاکہ محفوظ رہا۔ کاش میں وہ نادر حوالے بھی آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا۔ انشاء اللہ تعالےٰ اگر وہ حوالے مل گئے تو ضمیمہ کے طور پر پیش کر دوں گا۔ اُن حوالوں سے قطعِ نظر مقامِ فکر یہ ہے کہ قرآن کو بنیاد بنائے بغیر تمام مواد، پس منظر اور شہادتوں کی موجودگی میں بھی کوئی مورخ صحیح نتائج اخذ نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال شیخ محمد اکرام صاحب کی وہ تین کتابیں ہیں جن میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے نہایت قیمتی مواد یکجا کر دیا ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ وہ بھی "تھیاکریسی" کو دینی حکومت سمجھتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ مقالہ ہے۔

(کشفی)

کے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے

فقیہ و صوفی و مُلّا کی ناخوش اندیشی

عظیم مغل شہنشاہ اکبر ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اُس کی طبیعت میں "مذہبی رنگ" موجود تھا۔ اسلام کے شعائر کی پابندی کرتا۔ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیتا اور اسے اپنی نجات کا وسیلہ گردانتا۔ اکبر اعظم نے صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے

جوتے اٹھا کر ان کے پیروں میں پہنائے۔ ایک بار جشنِ سالگرہ کی کسی "بدعت" پر صدر الصدور نے اکبر کو یوں ٹوکا کہ ان کا عصا اس کے شانے سے لگا، مگر وہ خاموش رہا۔ لیکن اکبر کے حصہ میں روایتی مذہب ہی آیا تھا۔ یہی اس کا ورثہ تھا۔ ملوکیت کی گود کا پلا ہوا نوجوان دین کے حقیقی تصورات سے آشنا بھی ہوتا تو کس طرح؟ — بہرحال آج کے مروّجہ معیاروں کے مطابق وہ "دیندار اور متدین مسلمان" تھا۔ ایسا شہنشاہ جس نے درویشانہ شان کے ساتھ خواجہ اجمیریؒ کے آستانے پر حاضری دی۔ جس نے ایک بزرگ کی نسبت سے فتح پورسیکری کو اپنا "دار الخلافہ" بنایا۔

فتح پورسیکری میں ۱۵۷۱ء سے تعمیرات کا حصہ شروع ہوا اور یہیں اکبر نے عبادت خانہ تعمیر کرایا "عبادت خانہ" جسے آج کی اصطلاح میں علماکی اکیڈمی کہنا مناسب ہوگا۔ اکبر علماکی صحبت میں "تزکیۂ نفس اور دین سے آگاہی" کا متلاشی تھا، مگر ہوا یہ کہ اس اکیڈمی کی پہلی ہی نشست کے ساتھ جھگڑے شروع ہوگئے۔ اصولی اور علمی بحثیں نہیں، بلکہ اس بات پر جھگڑے کہ کس کا مقام کیا ہے اور کون کہاں بیٹھے۔ اس کے علاوہ اظہارِ علمیت پر جھگڑے۔ اسی اظہارِ علمیت کی بنیادوں پر ہمارے فقہ کے ایوان کی کئی منزلیں تعمیر ہوئی ہیں مثلاً "غسلِ جنابت" پر کم و بیش کئی ہزار صفحے تحریر کئے گئے ہیں۔ بقول مولانا حالی اگر کوئی آفت زدہ ان کا مطالعہ شروع کر دے تو اسے غسل نصیب نہ ہو۔ یوں غیر ضروری موشگافیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور "مذہب" سے اکبر کی بدظنی کا آغاز ہوا۔ علماکی یہ حالت دیکھ کر اکبر نے کہا کہ "جو نامعقول بات کہے اسے مجلس سے اٹھا دو" اس پر ملّا بدایونی نے کہا کہ — "پھر تو بہتوں کو اٹھانا پڑے گا"

(منتخب التواریخ)

ملّا عبدالقادر بدایونی جو عہدِ اکبری کے مذہبی رجحانات کے سخت گیر نقاد اور نکتہ چیں ہیں، مخالفوں کی تذلیل کا کام تو خود انہوں نے شروع کیا تھا۔ انہوں نے قدامت پرستوں (صدر الصدور شیخ عبدالنبی، حاجی ابراہیم سرہندی وغیرہ) کے خلاف محاذ بنایا اور اکبر کو خوش کرنے کے لئے فقیہانہ موشگافیوں کے دروازے کھول دیئے۔ اکبر کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں اور وہ کسی کو طلاق دیئے بغیر اپنے اس فعل کو جائز قرار دینا چاہتا تھا (چار تو آج بھی جائز ہیں)۔ اس مسئلہ میں ملّا صاحب نے جو کردار ادا کیا اسے شیخ محمد اکرام کی زبانی سنیئے۔

"ایک دو نے متعہ کا راستہ دکھایا۔ دوسروں نے اس کی حنفی فقہ کی رو سے مخالفت کی اس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس کے حق میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دیدے تو ایک حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔ بادشاہ کو اور کیا چاہیئے تھا۔ دربار سے حنفی قاضی کو رخصت کیا اور اس کی جگہ

مالکی قاضی حسین عرب کی کی تعیناتی ہوئی۔ جس نے فوراً حسب الطلب فتویٰ دے دیا۔"

اکبر نے اپنے عبادت خانہ میں یہ تماشا دیکھا کہ ایک عالم جس چیز کو حرام قرار دیتا، دوسرا اُسے حلال ثابت کر دیتا۔ دونوں روایات کی موجوں میں اپنی فقہ کی کشتی چلاتے۔ اور کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ "حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے اور خدائی احکام اپنی مکمل شکل میں قرآن حکیم میں موجود ہیں"۔ باہمی جھگڑوں اور بنیادی مسائل میں علما کے اختلافات نے اکبر کو "اسلام" سے بدظن کرنا شروع کیا۔

ان اختلافات کا منطقی نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ اکبر نے یہ طے کیا کہ مختلف نقاطِ نظر کو سن کر حلال و حرام کا فیصلہ وہ خود صادر کرے اور یوں اُس نے اپنے لئے منصب اجتہاد حاصل کر لیا اور علماء نے اس کی اس حیثیت کو عملی طور پر تسلیم بھی کر لیا۔ اب عبادت خانہ میں ہر فرقہ کے علما جمع ہونے۔ وہ لوگ جو اسی پر خوش اور مطمئن تھے جو انہیں باپ دادا سے ملا تھا اور جن میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ "فرقہ پرستی عملی شرک ہے۔" شیعہ سنی، صوفی، مہدوی، مالکی، حنفی، حنبلی، شافعی، اہلِ حدیث سب ہی عبادت خانہ کے رُکن بنے۔ شیعہ عالم ملا محمد یزدی نے نئے نئے شاخسانے نکالے، یا یوں کہئے کہ انہوں نے فرقہ پرستی اور فرقہ سازی کے تمام "اصولوں" کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے خلفائے ثلاثہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی بڑی جماعت کو بُرا بھلا کہا

"ملا محمد یزدی ...... طعن صریح و ناسزائے تبیح بر خلفائے ثلاثہ و تکفیر و تفسیق عامۂ صحابۂ کبار و تابعین و تبع تابعین و سلف و خلف صالحین، از متقدمین و متاخرین رضی اللہ عنہم کردہ"

(مُلا بدایونی۔ منتخب التواریخ)

اکبر نے صبر و سکون کے ساتھ "طعن صریح و ناسزائے تقبیح" کو سُنا۔ مُلا محمد یزدی نے اپنے دعووں کی بنیاد کتب تواریخ پر رکھی تھی ۔ وہ کتابیں جن میں رسول اللہ کے جلیل القدر ساتھی (رضی اللہ عنہم) ایک دوسرے سے دست بہ پیکار بلکہ مصروف بہ پیکار نظر آتے ہیں۔ ان دعووں کو پرکھنے کے لئے اکبر تاریخ کی طرف متوجہ ہوا طبری اور قدیم تاریخوں میں اُسے ایسے بیانات نظر آئے کہ نعوذ باللہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کی داڑھی یوں نوچی یا صحابۂ کرامؓ اس انداز سے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے ۔ یہ تاریخیں عجمی سازشوں اور غیر دینی تصورات کا آئینہ ہیں۔ کاش کوئی ان بیانات کی تردید اکبر کے سامنے قرآن کے الفاظ میں کر دیتا کہ

"محمد رسول اللہ والذین معہٗ . . . . . ."

رسول اللہ اور وہ قدسی نفس لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کفر کے خلاف شدید ہیں اور آپس میں

رحیم ہی، تو اکبر ایسے تاریخی بیانات کی اصل اور جڑ تک پہنچ جاتا۔ لیکن یہ نہ ہوا۔ جن ارباب عمل وخیر کے بارے میں خدا نے یہ کہا ہو کہ " اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے " اکبر اِن تاریخی بیانات کی روشنی میں اُن سے بھی بدظن ہو گیا

" چوں تاریخ خواندہ می شد، روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسق شدن گرفت "

۔ مُلّا بدایونی

صوفیوں نے صورتِ حال کو اور بھی بگاڑ دیا۔ " تاج العارفین " شیخ تاج الدین نے اکبر کو وحدت الوجود کی بھول بھلیاں میں بھٹکا دیا اور قرآن و حدیث کو بازیچۂ تاویل بنا دیا۔ محی الدین ابن العربی، کا اثر شیخ تاج الدین پر بہت گہرا تھا۔ ابن العربی کے انسان کامل کے تصور پر تصرف کرتے ہوئے شیخ تاج الدین نے اکبر اعظم سے کہا کہ بادشاہِ وقت انسانِ کامل ہوتا ہے اور اُس کے لئے سجدہ واجب ہے۔ یوں بادشاہ کے حضور سجدہ کی رسم تصوف کے زیر اثر شروع ہوئی ۔ اور آج بھی تو ہر جمعہ کو پاکستان کی ننانوے فی صد مساجد میں خطبۂ جمعہ میں یہ بات دُہرائی جاتی ہے کہ " بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے اور جس نے بادشاہ کی اہانت کی اُس نے خدا کی اہانت کی " (السلطان ظل اللہ علی الارض ۔ من اہان السلطان ، اہان اللہ) اکبر کے حضور کسی کو یہ حق بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی ، باقی بُتانِ آذری

بادشاہ کے لئے سجدہ کی اِس رسم کا سلسلہ آگے بڑھا اور پیر کے حضور مرید کے سجدۂ تعظیمی کو سند کا درجہ دیا گیا۔ مختلف حلقوں اور دائروں میں مختلف خدا اور سب کی پرستش۔ (تزکیۂ نفس یوں ہی ہو سکتا ہے)

اکبر ایک سوچنے والی روح کا مالک تھا۔ غور و فکر اُس کے ذہن کی خوراک تھا۔ تعلیم کی کمی یقیناً ایک خطرہ تھی اور اِس خطرہ کو علماء کے برتاؤ اور کردار نے ایک حقیقت بنا دیا۔ یہ خطرہ حقیقت کس طرح بنا؟ اِس کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ علماء کے جھگڑوں اور فروعی و بنیادی باتوں میں اُن کے شدید اختلافات کے باوجود اکبر کے یہاں بعض بنیادی اور حقیقی تصورات موجود تھے مثلاً اُس کا عقیدہ تھا کہ " مذہب کی بنیاد عقل و براہین پر ہو۔ زبردستی کسی کو مسلمان نہ بنایا جائے (لا اکراہ فی الدین) ۔ اکبر علماء سے اکثر یہ کہتا تھا کہ " زبان سے کلمہ پڑھ لینا، ختنہ کرا لینا اور خدا کے حضور سجدہ بے حضوری کر لینا دین نہیں ہے " آج جب اسلام کو بجا طور پر ایک مکمل ضابطۂ حیات

سمجھا جاتا ہے، شاید اکبر کی اس بات سے کوئی صاحب فکر انکار نہ کرے۔ شعائرِ دین کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم مگر انہیں دین کی اساس تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اقبالؒ نے بھی تو یہی کہا ہے ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور اکبر نے تو محض "ختنہ" ہی کا ذکر چھیڑا تھا، اقبالؒ نے تو انتہائی جرأت سے کام لے کر یہ حقیقت بیان کر دی ؎

نماز و روزہ و قربانی و حج

یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

علماء کے اختلافات کی طرف اشارے کئے جا چکے ہیں۔ اب ذرا اس عہد کے "اکابرِ دین" کی زندگی پر ایک نظر ڈالئے۔ شیخ الاسلام، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری، شیخ الاسلام تھے، عہدِ اکبری کی نہایت ممتاز علمی شخصیت تھے۔ کتنی ہی کتابوں کے مصنف تھے۔ حاشیۂ شرحِ ملاّ، منہاج الاصول اور عصمت الانبیا وغیرہ اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان بزرگ کے کسبِ زر کے جنون کا یہ عالم تھا کہ خاندانی قبرستان کی قبروں میں مُردوں کی جگہ سونے کی اینٹیں دفن تھیں۔ زندگی میں تین کروڑ روپے، نہ جانے کیا کیا جتن کر کے جمع کئے۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے سال کے آخر میں تمام دولت اپنی بی بی کے نام پر ہبہ کرا دیتے۔ مذہب اُن کے لئے اقتدار کا وسیلہ تھا، جس سے اختلاف ہوتا اُسے شرعی حیلوں سے سخت آزار پہنچاتے۔ شیخ علائی کو اتنا پٹوایا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ شیخ داؤد نیر گرامی اور دو سو سے زیادہ مسلمانوں کو اسی طرح تکالیف دیں۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے دشمنِ جانی تھے اور عبداللہ سلطان پوری نے شیخ عبدالنبی کے خلاف یہ فتویٰ دیا کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ اس کے باپ نے اسے عاق کر دیا ہے۔ اب ذرا شیخ عبدالنبی کا وہ قصور بھی سن لیجئے جس کی بنا پر ان کے والد نے انہیں عاق کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ سماع اور قوالی کو جزو دین نہیں سمجھتے تھے۔

اُس عہد کے بیشتر علما کا کردار یہی تھا جس کی مثال "شیخ الاسلام" تھے۔ شیخ اکرام صاحب فرماتے ہیں۔ "اکبر کے علما سے اختلاف کی وجہ فقط اُن کی کوتاہیاں اور قابلِ اعتراض باتیں نہ تھیں بلکہ اُن کی خوبیاں اور ترویجِ شرع کی کوششیں بھی وجہ مخاصمت ہو گئیں۔" اکرام صاحب کا یہ تجزیہ نہایت غیر منطقی ہے۔ جب اکبر نے ان علماء کے کردار اور ذہن و فکر کے تاریک ترین گوشے دیکھ لئے تو وہ اُن کی کوششوں کو "ترویجِ شرع کی کوششیں" کیسے مان لیتا! ۔ پھر اُس دور میں نوخاص فرقوں سے تعلق رکھنا ایک جرم تھا

جس کی بنا پہ قتل کی سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ کیا یہی ترویج شرع ہے؟ ان علما نے ایک برہمن کو بہیمانہ طور پہ قتل کرا دیا اور اکبر کی "اسلام" سے بدظنی بڑھ گئی۔ ظلم کا نام تو اسلام نہیں ہے۔ شیخ اکرام صاحب کے ذہن میں شرع اور اسلامی مملکت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے۔ نام نہاد مذہبی طبقہ تو آج بھی سیکولر نظام حکومت چاہتا ہے یا پھر تھیاکریسی، تاکہ اُس کا اقتدار باقی رہے۔ آج علما کو اگر کسی سرکاری مشاورتی کمیٹی کا رکن بنا لیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ "اسلام" ہے آزاد"۔ اکرام صاحب جس بات کو ترویج شرع کی کوشش قرار دیتے ہیں، وہ دراصل اقتدار کے حصول کی کاوش تھی۔ بیدار مغز اکبر نے اس سازش کو سمجھ لیا تھا۔ والیٔ ازبکستان کے نام اپنے ایک خط میں اُس نے اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ پیشوایانِ مذہب فرماں روائی میں، میرے شریک بننا چاہتے ہیں۔

"ایں پیشوایانِ مذہب می خواہند کہ در فرماں روائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند"

اکرام صاحب تھیاکریسی کو کس حد تک دینی مملکت سمجھتے ہیں، اُس کا اندازہ اُن کے اس جملہ سے ہو سکتا ہے۔

"وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اپنے اصولوں پر ملک کا نظم و نسق کرنا، علما کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی موجودگی میں ناممکن ہے"

اس انتشار اور انار کی کا نتیجہ وہ ہوا جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی اکبر نے جملہ اختیارات خود لے لئے اور علما سے ایک محضر یا یادداشت پر دستخط کرا لئے گئے۔ دستخط کرنے والوں میں مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری، صدر الصدور شیخ عبدالنبی، سب ہی شامل تھے۔ اس محضر میں ان علما نے اپنے آپ کو "جامع فروع و اصول، علمائے عرفاں شعار، فضلائے دقائق آثار، ہادیانِ بادیۂ نجات" وغیرہ وغیرہ قرار دینے کے بعد یہ اعلان کیا کہ سلطانِ عادل کا مرتبہ اللہ کے نزدیک مجتہد سے زیادہ ہے اور اکبر "اعدل و اعلم و اعقل" ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است و حضرت سلطان الاسلام کہف الانام۔ امیر المومنین، ظل اللہ علی العالمین، ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً اعدل و اعلم و اعقل باللہ اند"۔

اس محضر کی رو سے یہ بات طے ہو گئی کہ اختلافی مسائل میں آخری فیصلہ سلطان کا ہو گا اور جو اس فیصلہ کو نہ مانے گا "وہ دین اور دنیا دونوں میں نامراد رہے گا"۔ اس محضر کی رُو سے فیصلہ کا شرع کے مطابق ہونا لازم قرار دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ اس "شرع" سے کیسی ڈھیل ملی۔ کاش شرع کی جگہ "قرآن" کا لفظ

ہوتا ۔ قرآن کے واضح اور جامع احکام کے سامنے اکبر کو سر جھکانا ہی پڑتا ۔ شرع کا لفظ اکبر اور ملوکیت کے مفادات کے مطابق تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ کی مرضی کے مطابق علمائے کبار روایتیں اور قولِ شرعی نقل کرتے ۔ شیخ نورالحق محدثؒ مصنف زبدۃ التواریخ نے اِن علماء کو اہلِ ہوا و ہوس اور اکبر کو گمراہ کرنے والا قرار دیا ہے ۔

درجۂ اجتہاد اور فارقِ حق و باطل بننے کے بعد اکبر نے اپنی مخالفت کرنے والے علماء کو جلا وطن کیا، انہیں قتل کرایا اور دوسرے مصائب میں مبتلا کیا ۔ یہ باتیں یقیناً نہایت افسوس ناک اور قابلِ مذمت ہیں مگر کہنا یہی پڑتا ہے کہ

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ابوالفضل نے لکھا ہے کہ کچھ عالموں نے اکبر کو "مظہرِ حق" قرار دے کر الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا ۔ ظاہر ہے کہ مظہرِ حق، جن لوگوں کو سزائیں دے تو وہ سزائیں تقدیرِ ربانی خودبخود قرار پائیں گی ۔

اکبر اپنے عبادت خانے اور مجالس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے علماء کے ساتھ ساتھ دوسرے ادیان کے عالموں کو بھی بلاتا تھا ۔ اُسے ادیان کے تقابلی مطالعہ سے دلچسپی تھی ۔ اکبر پر مسلمان عالموں کو ایک بڑا اعتراض یہ پیدا ہوا کہ وہ دوسرے ادیان کے علماء کو کیوں بلاتا ہے اور کبھی کبھی مباحثہ میں اُن کی حجت کو کیوں قبول کر لیتا ہے، اُسے بحث میں جانب داری برتنی چاہیئے ۔ پرتگیزی پادری کبھی کبھی سفر میں بھی اس کے ساتھ رہتے تھے ۔ جب اکبر ۱۵۸۱ء میں حکیم مرزا کے تعاقب میں کابل گیا تو یہ پادری اس کے ساتھ تھے ۔ پچھلے دنوں ان پادریوں میں سے ایک پادری کی یادداشتوں کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہوا تھا ۔ اس نے بتایا ہے کہ اکبر نے عیسائیت پر بہت سے اعتراضات کیے ۔ اُن میں سے چند یہ ہیں ۔

۱۔ کفارۂ مسیح انسانیت کے گناہوں کو کیسے دور کر سکتا ہے ؟

۲۔ عورت گناہ کا سرچشمہ کیوں ہے ؟ ۔ اور خدا نے گناہ کے سرچشمہ کو تخلیقِ انسانی کا سرچشمہ کیوں قرار دیا ہے ۔

۳۔ مسیح ابن اللہ نہیں ۔

۴۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری انجیل اپنی اصل شکل میں کہاں ہے ؟ ۔ اگر عیسائیت سے دُنیا کا مستقبل وابستہ ہے تو یہ کتاب مسخ کیوں ہوئی اور کیوں محفوظ نہ رہی ۔

عیسائیوں نے کہا کہ "انجیل میں غذائے روحانی ہے" ۔ اکبر نے جواب دیا ۔ "جس میں جسم کی نشو و نما کا بھی سامان نہیں، اُس سے روح کو غذا کیسے مل سکتی ہے ؟"

وہ اکبر جس کے الحاد کو مسلّم حقیقت کی طرح اُبھار دیا جاتا ہے اور جس کا نام پادریوں نے داخلِ دشنام کر دیا ہے، وہ عیسائی پادریوں کے مقابل "علمائے اسلام" سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ علمائے اسلام مباحثوں میں عیسائی پادریوں سے پہلے ہی ہار چکے تھے۔ جب کابل کی لشکر کشی کے بعد اکبر "دارالخلافہ" واپس آیا تو علما نے پادریوں سے پھر بحث کرنی چاہی۔ اکبر گریز کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ عالم ہار جائیں گے۔ آخر مباحثہ ہوا اور علما کی شکست کے بعد اکبر نے پادریوں سے ایسی بحث کی کہ وہ مایوس ہو کر چلے گئے۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے کئی باتیں اُبھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ اکبر اسلام کا دشمن نہ تھا، وہ علما کی ہوسِ اقتدار کا دشمن تھا۔ عیسائیت پر اُس کے اعتراضات سے اُس کی فکر کا ایک واضح خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ انجیل کے مسخ ہونے پر اُس کے اعتراض کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ اسلام کو انسانیت کا مستقبل جانتا تھا، کیوں کہ قرآن اپنی حقیقی اور اصلی صورت میں محفوظ ہے۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ اکبر کو ملحد اور کافر کن باتوں کی بنا پہ کہا گیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کے الحاد پہ یہ دلیلیں پیش کی ہیں۔

(۱) مملکت میں گاؤکشی بند ہے۔

(۲) لوگ داڑھی منڈاتے ہیں۔

اُس کے الحاد کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اُس نے دولہا دلہن کے بارے میں تحقیقات کے لئے ایک محکمہ قائم کیا۔ علما جب بھی کسی کو کفر کے فتوی کا ہدف بنائیں تو آپ یقین کر لیں کہ وہ شخص "جنسی میدان" میں اُن کی "شرعی آزادی" کا مخالف ہو گا۔ اس محکمہ کا مقصد یہ تھا کہ نابالغوں کی شادی کو رد کیا جائے۔ دلہن کی مرضی کا اندازہ ہو سکے۔ "غیر ضروری تعددِ ازدواج" کو رد کیا جا سکے۔ قرآن واضح طور پہ بلوغ کو شادی کے لئے شرطِ لازم قرار دیا ہے اور تعددِ ازدواج کی بحث چھیڑنے کا یہ موقع نہیں۔ اس باب میں قرآن کے موقف اور احکام سے قارئین طلوعِ اسلام اچھی طرح واقف ہیں۔

ایک طرف ملا صاحب اکبر کو کافر اور ملحد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اپنے آخری دور میں اکبر نے قلعۂ لاہور میں دیوانِ عام کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بنوا دی تاکہ جو لوگ اہم سرکاری کاموں میں مصروف ہوں، وہ نماز پڑھنے کے لئے شہر نہ جائیں (تاکہ وقت ضائع نہ ہو)

اور قلعہ کی مسجد میں نماز با جماعت ادا کر سکیں۔ اکبر کے اس حکم کا بھی تمسخر اڑایا گیا۔ علما کو اپنے اختیارات چھننے کا شدید کرب تھا اور وہ حرکاتِ مذبوحی میں مبتلا تھے۔ آج بھی "دین" کا نام لے کر لوگ اپنے ذاتی منصبی سے بھاگتے ہیں۔ ایک بار مجھے ایک چیک کی ادائیگی کے سلسلہ میں اے۔ جی۔ پی۔ آر کے دفتر جانے کا اتفاق ہوا۔ میں دو بجے پہنچا تھا، معلوم ہوا کہ فردِ متعلقہ ظہر کی نماز پڑھنے گیا ہے۔ میں انتظار کرتا رہا اور وہ چار بجے شام تک واپس نہ آیا۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ انہیں احکام و اصلاحات کو یاروں نے اکبر کا دعوائے نبوت قرار دیدیا۔ بقول ملا عبد القادر بدایونی، دعوائے نبوت کیا، مگر یہ لفظ منہ سے نہ نکالا

" روشِ خود را بتوحیدِ الٰہی موسوم ساختند "

ملّا صاحب نے "روش" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شیخ اکرام صاحب کی تحقیق کے مطابق دینِ الٰہی کی اصطلاح پہلی بار اکبر کی وفات کے ۶۵ سال بعد "دبستانِ مذاہب" میں استعمال کی گئی اور انگریز مؤرخوں نے اس اصطلاح کو رائج کر دیا۔

اکبر کے الحاد کو شیخ مبارک اور اُس کے بیٹوں ابو الفضل اور فیضی کی صحبت کا نتیجہ بھی قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں پر بہت سے الٹے سیدھے الزامات لگائے گئے ہیں مثلاً ابو الفضل منکرِ وحی تھا۔ یہ الزام یکسر غلط ہے ابو الفضل نہایت پابندی کے ساتھ تلاوتِ قرآن پاک کرتا تھا۔ فیضی نے تو تفسیرِ قرآن لکھی ہے۔ نہ ہی یہ بات کہ یہ دونوں بھائی جبریلؑ کے خارجی وجود سے منکر تھے، انہیں کافر نہیں بنا دیتی۔ جبریلؑ کو تو شیخ محب اللہ الٰہ آبادی جیسے عظیم عالم نے عہدِ شاہجہانی میں " رسولوں کی قوائے ملکوتی میں سے ایک قوت " قرار دیا تھا۔ وہ آج رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہ دونوں کافر ٹھہرے۔ اور تو اور علمائے متاخرین میں نواب صدیق حسن والئہ بھوپال کے شوہر کے مرتبہ سے کون انکار کرے گا، وہ اہلِ حدیث فرقہ کے اکابرین میں سے ہیں، انہوں نے بھی فرشتوں کو اللہ کی کائناتی قوتوں سے تعبیر کیا ہے۔

میں اکبر کو یکسر معصوم قرار نہیں دیتا۔ بادشاہوں کا احترام کوئی مسلمان قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں نہیں کر سکتا۔ اکبر ملوکیت کا نمائندہ تھا۔ پھر ملوکیت کے نمائندے کی حیثیت سے مُلائیت کا مقابلہ کیا۔ یہ بات ضرور عجیب ہے ورنہ ملوکیت کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ مُلائیت، ہمیشہ ملوکیت کے استحکام کا آلۂ کار بنتی ہے۔ اکبر کے دور میں مُلائیت نے بغاوت کی اور اکبر نے اُسے کچل دیا، پھر مُلائیت ملوکیت کے مفادات کی تکمیل ازمنۂ سابقہ کی طرح کرنے لگی۔ عہدِ اکبری میں بہت سی باتیں قرآن و اسلام کے یکسر خلاف تھیں۔ یہ بدعتیں کفر کی حدود میں داخل ہیں، مثلاً آفتاب پرستی (اس کے لئے دلیل سورۃ الشمس سے لائی گئی تھی)، دیوالی کے موقع پر گائے

منگانا اور انہیں آراستہ کرنا وغیرہ — لیکن جو باتیں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں، ان کی روشنی میں یہ سوچئے کہ اگر اکبر ملحد تھا تو اُس کے الحاد کو آپ کس کے نامۂ اعمال پر لکھیں گے ؟

طلوع اسلام ہندوستان کی تاریخ میں اکبر کی شخصیت بڑی متنازعہ فیہ ہے۔ اس کی طرف جتنی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، مؤرخین ان پر آج تک متفق نہیں ہو سکے۔ اگر کوئی انکی تائید کرتا ہے تو دوسرا ان کی تردید کرتا ہے۔ ہم اس وقت اس تاریخی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔ لیکن ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ کشفی صاحب نے لکھا ہے کہ علماء نے جو محضر مرتب کیا تھا اس کی رُو سے یہ طے پایا تھا کہ اختلافی مسائل میں آخری فیصلہ سلطان کا ہوگا۔ اور اس فیصلے کا شرع کے مطابق ہونا لازم قرار دیا گیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر "شرع" کی جگہ "قرآن" کا لفظ ہوتا تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے کہ اس محضر میں "شرع" نہیں بلکہ قرآن ہی لکھا گیا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے ملا بدایونی کی "منتخب التواریخ" نہیں کہ ہم اسکے الفاظ پیش کر سکتے۔ لیکن اکرام صاحب نے اپنی کتاب (THE HISTORY OF RELIGION) کے صفحات 247 - 248 پر اس پورے محضر کا انگریزی ترجمہ دیا ہے۔ اسکی رو سے محضر میں یہ کہا گیا تھا کہ

> اگر اس کے بعد کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس میں مجتہدین کی آرا ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور سلطان اپنی خدا داد بصیرت کی بنا پر رعایا کی بہبود اور سیاسی مصالح کے پیش نظر ان باہمدگر متعارض و متضاد آرا میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کے مطابق احکام صادر کر دے تو ان احکام کی اطاعت ہم پر اور تمام رعایا پر فرض ہوگی۔ نیز اگر سلطان کوئی نیا حکم جاری کرنا چاہتے تو ہم پر اور دیگر رعایا پر اس کی اطاعت بھی فرض ہوگی۔ <u>بشرطیکہ وہ حکم قرآن پاک کی آیات کے مطابق ہو</u>۔ اور اس سے مقصد رعایا کی بہبود ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کے فیصلے کو قرآن کی حدود میں مقید کیا گیا تھا اور یہ چیز عین اسلام کے مطابق ہے۔ علماء اور فقہاء کی بحث میں فیصلے کا حق رئیس مملکت کو حاصل ہونا اسلام میں قانون سازی کے اصول کے عین مطابق ہے۔ اسلام میں علماء یا کسی اور کو قاضی کا منصب حاصل نہیں ہوتا۔ علماء کی حیثیت محض وکیل یا مشیر کی ہوتی ہے۔ فیصلہ کا اختیار یا تو مملکت کی طرف سے مقرر کردہ جج کو حاصل ہوتا ہے یا خود مملکت کی مرکزی اتھارٹی کو۔ اور ان کا یہ اختیار مشروط ہوتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کا فیصلہ قرآن کے خلاف نہیں ہوگا۔ اکبر کا فیصلہ ان دونوں شرطوں کو پورا کرتا ہے اور اسلام کے عین مطابق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) نے "تذکرہ" میں لکھا تھا کہ یہ مسلک بالکل درست تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت ارباب حل و عقد اور ان کے مشیروں کو ہر زمانے میں اور ہر وقت اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ اسلام پر جو اسقدر تباہیاں آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد کے اس حق سے انکار کر دیا گیا۔ (بحوالہ محمد اکرام صفحہ ۲۴۸)

علماء نے اکبر کے خلاف جو طوفان برپا کیا تھا اور ملک میں بغاوتیں کرا دی تھیں اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ انہیں ان کے صحیح مقام پر رکھنا چاہتا تھا۔ اور انہوں نے جس انداز کی تھیا کریسی قائم کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھا تھا وہ اسے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ یہ چیز اکبر کے دور کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ تاریخ میں جس شخص نے بھی یہ کوشش کی کہ علماء کو ان کے مقام سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے انہوں نے ہمیشہ اسکی مخالفت کی۔

ایک معرکہ آرا تصنیف

سلسبیل

"فردوسِ گم گشتہ" کے بعد پرویز صاحب کے اہم مضامین کا بصیرت افروز مجموعہ

شائع ہو چکا ہے

فرمائشوں کی تعمیل ان کے موصول ہونے کے مطابق ہو رہی ہے۔ جلد منگوا لیجئے۔ ورنہ اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔

فہرست عنوانات حسب ذیل ہے

عبادت	میثاق خداوندی	قرآن کے باطنی معانی	شرک
نظریۂ ارتقاء اور قرآن	مملکت کا قرآنی تصور	اسلام کیا ہے؟	ایک نورانی صبح
نجات	لاہور کا ایک علمی مذاکرہ	اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	وہ مرد درویش
ثواب	انسان اور خارجی کائنات	دین خداوندی کے دشمن	لارڈ مسر برٹرنڈ رسل سے ایک ملاقات
زکوٰۃ	اردو زبان میں نماز	انسان	پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات

کتاب سفید پرنٹنگ پیپر پر چھپی ہے۔ کتابت طباعت دیدہ زیب۔ صفحات ۳۵۲

قیمت مجلد آٹھ روپے

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام - ۲۵/بی۔ گلبرگ - لاہور

سبدِ گُل

۱۔ قدامت پرستوں کی عقل سے دشمنی

مشہور مؤرخ رینان لکھتا ہے

۱۱۵۰ء میں خلیفہ المستنجد کے حکم سے ایک قاضی کے کتب خانے میں جس قدر فلسفہ کی کتابیں تھیں خاص کر ابن سینا اور اخوان الصفا کی تصنیفات سب بغداد میں نذرِ آتش کی جاتی ہیں۔ ۱۱۹۲ء میں طبیب عبدالسلام پر کفر و الحاد کا الزام لگایا گیا اور اس کا کتب خانہ نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ربّی یہودا جو میمون کا شاگرد تھا، اس منظر کا عینی شاہد ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے مولوی کے ہاتھ میں ابنِ ہاشم کی ایک ہیئت کی کتاب دیکھی۔ ان دائروں کو دکھا کر جن سے ابنِ ہشیم نے افلاک کے کرّوں کو نمایاں کیا تھا، مولوی نے کہا یہ دیکھو کس قدر رنج کی بات ہے، کس قدر آفت ہے، کتنی بڑی مصیبت ہے، اور کتاب کو پھاڑ کر آگ میں پھینک دیا... فخرالدین ابن الخطیب رازی پر بغداد میں مصائب ٹوٹ پڑے۔ وہ محققانہ فلسفے کا پیرو تھا۔ اس نے ارسطو اور ابنِ سینا پر شرحیں لکھی تھیں۔ اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کے مکان میں ایسے اشعار پائے جن میں قدمِ عالم اور حدیثِ روحِ انسانی کے مضامین درج تھے۔ عوام الناس کو معلوم ہوا تو قبر کھود کر اس کی خاک اُڑا دی۔ مقری کہتا ہے کہ ابن حبیب اشبیلوی کو اس لئے سزائے موت دی گئی کہ وہ فلسفہ پڑھا کرتا تھا۔

.... حاجب المنصور نے جو حکم کے بیٹے ہشام کے زمانے میں برسرِ اقتدار آیا، حکم کے کتب خانے سے وہ تمام کتب چھانٹ کر نذرِ آتش کر دیں، جن کو تعلق علوم و فنون اور فلسفہ سے تھا۔ منصور کے زمانے کے بعد

سے سوائے اس کے کہ تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے، وہ بھی بعض بعض اوقات فلسفہ کو آزادی نصیب ہوئی، ہمیشہ علانیہ اس کی مخالفت ہوتی رہی۔ جو لوگ اس طرف رجوع ہوتے تھے اُن کی نسبت مفتیانِ مذہب بیدینی کے فتوے لگایا کرتے تھے اور جو لوگ حکمت و فلسفہ سے بہرہ وانی رکھتے تھے وہ اپنے علوم کو اپنے قریبی دوستوں سے پوشیدہ رکھتے تھے کہ وہ کافر اور مرتد مشہور نہ کر دیئے جائیں۔"

مولانا شبلی نعمانی اپنے مقالات میں لکھتے ہیں۔

" غزالی نے مذہب اشعری کی تائید و نصرت میں بہت سی کتابیں لکھیں اور معتزلہ کی تکفیر و تفسیق کی۔ چونکہ اُس وقت عباسیوں کی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی۔ اور سلجوقیہ وغیرہ کی وجہ سے مذہبی آزادی بالکل باقی نہ رہی تھی، اشعری مذہب کے رواج کے ساتھ اعتزال کے جبراً مٹانے کی کوشش کی گئی۔ معتزلیوں پر جا بجا ظلم کیا جاتا تھا اور اُن کو اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ محمد بن احمد جو بہت بڑے معتزلی عالم گزرے ہیں اور ۴۷۸ھ میں انتقال کیا پچاس برس تک گھر سے باہر نہیں نکل سکے۔ علامہ زمخشری جن کی تفسیر کشاف گھر گھر پھیلی ہوئی ہے چونکہ معتزلی تھے، اپنے ملک میں چین سے رہنے نہیں پاتے تھے، مجبوراً مکہ چلے گئے...... علامہ مقری نفح الطیب میں لکھتے ہیں،" جب یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص فلسفہ پڑھتا ہے تو عوام اُس کو زندیق کہنے لگتے تھے اور اگر اس نے کسی شبہ میں لغزش کھائی تو قبل اس کے کہ بادشاہ کو اس کی خبر پہنچے، اس کو پتھر مارتے تھے یا آگ میں جلا دیتے تھے۔"

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

" مسلمانوں میں علوم کی بنیاد مذہب کی زمین پر رکھی گئی تھی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی پیشواؤں کی اجتہادی رائیں جدھر رخ کریں، علوم بھی ان کا ساتھ دیں۔ اسی وجہ سے مملکتِ اسلامی کے ہر گوشے میں رہ رہ کر فلسفے کو صدمے اُٹھانے پڑتے تھے۔ معتضد باللہ عباسی نے جو ۲۷۹ھ میں تخت نشین ہوا، پہلے ہی سال فرمان نافذ کیا کہ کتب فروش فلسفے کی کتابیں نہ بیچنے پائیں۔ حکیم ابن رشد کو اپنی فلسفی تصنیفات سے اس لئے خود انکار کرنا پڑا کہ خاندان عبدالمومن نے اس جرم پر اس کو قید کر دیا تھا۔ اسی خاندان کے ایک فرمانروا نے جس کا نام مامون تھا، حکیم ابن حبیب کو قتل کرا دیا۔ سلطنت عثمانیہ میں بھی ایک مفتی صاحب نے فلسفہ کا درس بند کرا دیا۔"

(۲) اسلامی رہبانیت

امام غزالی اپنی مشہور کتاب "احیاء العلوم" میں تصوف کے مقامات اور ریاضت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مرشد کو چاہیئے کہ اپنے مرید کو ایسی پناہ کی جگہ اور قلعہ میں بٹھا دے کہ رہزنوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعہ چار چیزیں ہیں۔ خلوت اور سکوت اور بیداری اور بھوک۔ کیونکہ مقصود مرید کا یہ ہے کہ قلب کی اصلاح ہو جائے تاکہ اس سے پروردگار کا مشاہدہ کرے اس کے قرب کی لیاقت بہم پہنچا دے۔ اور یہ بات ان چاروں چیزوں سے حاصل ہو۔ بھوک سے دل کا خون کم ہوتا ہے اور سفید ہو جاتا ہے اور سفیدی میں اس کا نور ہے۔ نیز چربی دل کی بھوک سے دور ہو جاتی ہے اور یہ باعث ان کی نرمی کا ہے جو کلید مکاشفہ ہے۔ جس طرح سختی دل باعث حجاب ہے۔ اور جب خون دل کم ہو جاتا ہے تو دشمن کی راہ تنگ ہو جاتی ہے، اس لئے اس کی گذرگاہ رگیں ہیں جن میں شہوات بھرے ہیں"

(۳) آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں مختلف بزرگوں کے متعلق لکھا ہے۔

(۱) "احمد بن الحواری کہتے ہیں کہ میں نے خواب کی حالت میں ایک لونڈی کو دیکھا جس سے زیادہ خوبصورت عورت میں نے نہیں دیکھی تھی اور اس کا منہ نور سے چمک رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ تیرے منہ کی چمک کس باعث ہے۔ اس نے کہا کہ تمہیں یاد ہے کہ ایک رات تم روئے تھے۔ میں نے کہا۔ ہاں مجھے یاد ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے تمہارے آنسو لے کر اپنے منہ کو لگائے تھے اسی سے میرا منہ چمکنے لگا"

(۲) علی طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے مشابہ نہ تھی میں نے پوچھا۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں حور ہوں۔ میں نے کہا کہ تو مجھ سے بیاہ کر لے۔ اس نے کہا۔ کہ میرے مالک سے میری نسبت کی درخواست کر اور میرا مہر دے دے۔ میں نے پوچھا۔ تیرا مہر کیا ہے۔ اس نے کہا۔ اپنے نفس کو اس کی تمام آفتوں سے بچائے رکھو"

عتبہ نے ایک حور کو خواب میں دیکھا کہ بہت حسین ہے اور کہتی ہے کہ اے عتبہ! میں تیرے اوپر عاشق ہوں تو خبردار۔ ایسی بات نہ کرنا جو مجھ میں اور تجھ میں حجاب ہو جائے۔ عتبہ نے جواب دیا کہ میں نے

دنیا کو تین طلاق دے دے۔ جب تک تجھ سے نہ ملوں اُس کی طرف رجوع نہیں کروں گا۔"

نیز یہ روایت بھی درج کی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ وضعی ہے اور اس کی نسبت نبی اکرمؐ کی طرف بہت بڑا افترا ہے۔

" کسی نے آنحضرتؐ سے اس آیت کے معنی پوچھے " ومساکن طیبۃ فی جنت عدن " آپ نے فرمایا کہ مساکن سے غرض موتی کے محل ہیں۔ ہر محل میں ستر گھر لعل سرخ کے ہیں اور ہر گھر میں ستر کوٹھڑیاں ہیں سبز زمرد کی۔ ہر کوٹھڑی میں ستر تخت ہیں۔ ہر تخت پہ ستر فرش ہر رنگ کے ہیں۔ ہر فرش پہ ایک بی بی حور دل بہا سے ہے۔ ہر کوٹھڑی میں ستر دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے۔ ہر کوٹھڑی میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایمان دار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ ان سب سے ہم بستر ہو جاوے۔"

(بشکریہ ادبی دنیا)

دیو بند سے شائع ہونے والے ماہنامہ " تذکرہ " میں شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حسب ذیل واقعہ درج کیا گیا ہے۔

ایک بھنگ فروش

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ آپ کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی فرماتے تھے اور جملہ ضروریات کا انتظام اپنے ذمہ کر رکھا تھا۔

ایک روز اتفاق سے ایک بھنگ فروش عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بہت زیادہ منت سماجت کے بعد فرمایا کہ حضرت میں بہت مجبور ہوگئی ہوں۔ میری دوکان بالکل نہیں چلتی، کوئی تعویذ عنایت فرمائیں۔

آپ نے ایک تعویذ لکھ کر دیا، اور فرمایا کہ اس کو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا، اور جب دوکان چل جائے تو یہ تعویذ مجھ کو واپس کر جانا۔ اس وقت بڑے بڑے حضرات شاہ اسحٰق صاحبؒ اور مولانا عبدالحئی صاحبؒ وغیرہ آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو شاہ صاحب کے اس فعل پر بہت حیرت ہوئی، کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ؟ مگر اس کو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔

چند دنوں کے بعد وہی عورت بہت ساری مٹھائی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے

خلاف معمول وہ مٹھائیاں قبول فرمالیں، اب تو ان حضرات کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، مگر کسی نے کہا کچھ نہیں۔

جب وہ عورت چلی گئی تو شاہ صاحبؒ نے خود ان لوگوں کو وہ تعویذ عنایت فرمایا کہ لو اسے پڑھو انہوں نے پڑھا، تو اس میں لکھا تھا کہ "اے دہلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہوچکا ہے، لہذا تم اور جگہ نہ پیو اسی کی دوکان پر پی لیا کرو۔

پھر اسی وقت آپ نے حکم دیا کہ چار بورے مسجد سے باہر بچھا دیئے جائیں، خدام نے حکم کی تعمیل کردی۔ تھوڑی دیر میں چار جوگی آئے، شاہ صاحبؒ نے ان کو بوریوں پر بٹھا دیا اور خود مسجد کے اندر کے بورے پہ بیٹھے، تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد ان کو رخصت کر دیا، اور وہ تمام مٹھائیاں ان کے ساتھ کر دیں، پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر جنہیں شبہہ ہوا تھا، فرمایا کہ مال حرام بود بجائے حرام رفت۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت۔

دیوبند سے شائع ہونے والے ماہنامہ تذکرہ کی اگست کی اشاعت میں حسب ذیل مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں آپ ایک طرف یہ دیکھیں گے کہ ہندوستان کی حکومت کے پراپیگنڈہ کا انداز کیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت کیا ہے

(طلوع اسلام)

نئی دہلی ۷ر جولائی۔ مرکزی حکومت ہند کی انفارمیشن سروس نے ایک باتصویر کتابچہ شائع کیا ہے جس میں ہندوستان کے سیکولرزم، مساوات جمہوریت، اور حق و انصاف کا گیت گایا گیا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ کتابچہ حال ہی میں بیرونی ممالک میں تقسیم بھی کروایا گیا ہے۔ تاکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مکمل تحفظ اور مساوات کا اندازہ پڑوسی اسلامی ملک ملک کر سکیں، اس میں در اصل مسلمانوں کی حالت کو دبا دیا گیا ہے۔ معاصر دعوت دہلی نے اس پر جو اداریہ سپرد قلم کیا ہے۔ ذیل میں یہ مع عنوان حاضر ہے۔ "پروپیگنڈہ سے بچئے" ! یہ باتصویر کتابچہ کا عنوان ہے، جسے کہ منظور الحق صاحب نے مرتب کیا ہے، انفارمیشن سروس آف انڈیا نے اپنے اہتمام میں اسے شائع کیا ہے۔

۳۰، اپریل ۱۹۶۱ء کو یہ کتابچہ طبع ہوا ہے اور انداز ترتیب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند کے زیر اہتمام جو وفود مغربی ایشیاء کے ممالک میں بھیجے گئے تھے یہ کتابچہ غالباً ان کے ذریعہ تقسیم کرائے گئے ہونگے۔

کتابچہ مختلف عنوانات اور ان کے تحت مختلف تصاویر پر مشتمل ہے۔

ابتدائی چار عنوانات میں سیکولرزم کی پالیسی، جنگ آزادی مسلم لیگ، اور تقسیم کے بارے میں ہیں۔ جن میں سیاست کے غیر مذہبی کردار، جنگ آزادی کی غیر فرقہ وارانہ سرگرمیوں، مسلم لیگ کی علیحدگی پسندی، اور تقسیم ہند کا مختصر سا تعارف کرا دیا گیا۔ بعد میں ہندوستان کے غیر مذہبی نظریات اور دستوری تحفظات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے، کہ بنیادی حقوق کی حفاظت کے لئے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ آف انڈیا کا دروازہ کھٹکھٹا یا جا سکے۔ اس کے ذیل میں بتایا گیا ہے کہ یونین پبلک سروس کمیشن اور ریاستی پبلک کمیشن قائم ہے جن میں مسلمان بھی قائم ہیں، اور وہ امیدواروں کا انتخاب کرتے ہیں۔

اس کے بعد پاکستانی پروپیگنڈہ کے عنوان پر چودہ صفحات کا ایک مضمون دیا گیا ہے جس میں مصور بیگم سابق وزیر آندھرا، نائب صدر ذاکر حسین، گورنر ابراہیم، گورنر مہدی نواز جنگ، مرکزی وزیر چھاگلہ، مرکزی وزیر ہمایوں کبیر، فلم ایکٹرس مدھوبالا، ممتاز بیگم، فلم ایکٹر دلیپ کمار، یوسف خاں، بنگالی شاعر نذرالاسلام ماہر موسیقی بڑے غلام علی، اور کھلاڑی نواب پٹودی کی تصویریں دے کر بتایا گیا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مسلم اقلیت کو کس طرح اچھا مقام حاصل ہے۔ اسی کے فوراً بعد پاکستان کی اقلیتوں کے بارے میں ایک باب ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہاں سے ہندوؤں کو نہ ملازمتوں میں داخلے ملتے ہیں اور نہ ہی انہیں ملک کی سیاسی اور عوامی زندگی میں کوئی خاص مقام حاصل ہے۔ بلکہ انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا گیا ہے

ایک عنوان اردو سے متعلق ہے، پھر ہمایوں کے مقبرے قطب مینار، تاج محل کی تصویریں دی گئی ہیں، اور دعوی کیا گیا ہے کہ سیکولر ہندوستان میں مسلمانوں ہی کی نہیں، بلکہ ان کے مذہب و تہذیب کی بھی پوری حفاظت کی جاتی ہے، اسلام اور اسلامی سٹڈیز کو ہندوستان کے وسیع تر مشترکہ کلچر کا حصہ سمجھا جاتا ہے اسی ضمن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ عثمانیہ یونیورسٹی کے دائرۃ المعارف دارالعلوم دیوبند اور خدا بخش لائبریری پٹنہ کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

ایک عنوان مسلم تہوار کا ہے جس میں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پر صدر جمہوریہ کی دستار بندی -- درگاہ پر لوگوں کا اجتماع، اور تعزیہ کا جلوس بھی دیا گیا ہے۔ آخر میں حاجیوں کو دی جانے والی سہولتوں کا تذکرہ ہے، اور زائرین کے جہاز کی روانگی کا فوٹو ہے۔

کتابچہ چھپن صفحات پر مشتمل ہے، ورنہ اس میں ابھی کئی عنوانات اس کے لئے تھے۔ مثلاً ہزار ہا مساجد کی تصویریں دی جا سکتی تھیں، قبرستانوں کے نقشے دیئے جا سکتے تھے، اوقاف کمیٹی کے مسلم ممبران کی فہرست دی

جاسکتی تھی، قرآن مجید اور دینی کتابوں کی اشاعت کی امداد شائع کی جاسکتی تھی۔ اور یہ دعویٰ کیا جاسکتا تھا کہ دیکھو یہ ہیں وہ سیکولر ہندوستان کے کارنامے۔

پروپیگنڈہ عجیب و غریب فن ہے۔ کتنے ہی بھوکے فاقوں سے بدحال ہیں۔ لیکن مرغن غذاؤں کی دیگیں دکھا کر اس فن کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔ بیماروں اور ڈاکٹروں کی کمیابی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مرجایئے۔ لیکن اسپتالوں کی بلند و بالا عمارتوں اور ایمبولینس گاڑیوں کی قطاروں کی نمائش اس کی موت کو چھپا دینے کے لئے کافی سمجھ لی جاتی ہے۔ بہرحال یہ فن تو پہلے بھی کا اندرون ملک مظاہرہ نہ ہو تو اچھا ہے۔ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جایئے۔ اور پانچ یا چھ کروڑ جتنے بھی مسلمان ہیں ان سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ واقعی محسوس کر رہے ہیں کہ دستور ہند میں جو بلند بانگ دعوے کئے گئے ہیں۔ ان پر سچے دل سے عمل بھی کیا جاسکا ہے۔ غالباً ۹۹ فی صدی مسلمان کا جواب یہی ہوگا کہ حکومت قول و عمل کے تضاد میں مبتلا ہے۔ اس بڑی تعداد کے بارے میں یہ کہنا۔ یا سوچنا کہ وہ سب کے سب ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں غالباً حقیقت کو چھپانے کے سوا کچھ نہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ سکتا ہے کہ جان و مال کی بربادی، کاروباری پسماندگی، تعلیمی زوال، اقتصادی بدحالی، اور تہذیبی عدم تحفظ کی شکایتوں کا کوئی ڈاکر حسین یا چھاگلہ بدل بن سکتے ہیں۔

حکومت خیال پرستی کی بنیاد پر نہیں چلا کرتی اور نہ ہی اس بات سے کوئی اثر پڑتا ہے کہ بیرونی ممالک میں ہمارے نے کس قسم کا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے، حکومتوں کا اصل دائرہ کار ان کی اپنی حدود اور ان میں رہنے والے باشندے ہیں۔ اگر مطمئن ہیں تو پھر دنیا بھر کا مخالفانہ پروپیگنڈہ بے اصل ہو سکتا ہے اور یہ اگر غیر مطمئن ہیں تو سارا لٹریچر بیکار ہے اور کتابچے، وفود وغیرہ اپنی کوششوں کی طرح ایک کوشش ہے جو کہ نو آبادیاتی حکومتوں کے لئے تو موزوں ہے، کسی ملکی حکومت کے لئے مناسب نہیں ہے

مَن و یزداں

خدا کیا ہے ——————— ؟

ہمارا اس سے کیا تعلق ہے ——————— ؟

تقدیر کسے کہتے ہیں ——————— ؟

کیا دعا اثر کرتی ہے؟ یہ اور اس قسم کے اور اہم سوالات کا تفصیلی جواب۔ صفحات ۴۵۶۔ قیمت مجلد۔ دس روپے

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی۔ گلبرگ۔ لاہور

حقائق و عبر

امتناعِ شراب

اخبارات میں شائع شدہ ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ اسلامی مشاورتی کونسل نے حکومت کو اپنی رائے سے مطلع کر دیا ہے کہ اسلام میں شراب واقعی ممنوع ہے۔ معلوم نہیں کونسل بیچاری کو اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے کس قدر کوہ کنی اور خارہ شگافی کرنی پڑی ہوگی! بہرحال مقامِ تشکر ہے کہ انکی محنت ٹھکانے لگی اور انہیں بالآخر بالتحقیق معلوم ہوگیا کہ اسلام میں شراب ممنوع ہے۔

اصل میں قصور مشاورتی کونسل کا بھی نہیں۔ ان سے جب کسی معاملہ کے متعلق استفسار یا استصواب کیا جائے گا تو انہیں اس کے جواب میں اپنی رائے دینی ہی ہوگی۔ غور طلب بات تو یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ ایسا تھا جس کے لئے اس تحقیق کی ضرورت پڑتی کہ اسلام میں شراب ممنوع ہے یا نہیں! نہ پینے والے تو ایک طرف، جو مسلمان بدقسمتی سے شراب پیتے ہیں انہیں بھی اس کا علم (بلکہ اقرار) ہوتا ہے کہ شراب ممنوع ہے۔ اصل میں طے کرنے کی بات اور تھی۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بات طے بھی کی گئی ہے یا نہیں۔ شراب کے متعلق زیرِ غور مسئلہ یہ ہے کہ ملک میں اس کا استعمال قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اسے قانوناً ممنوع قرار دیا جائے گا تو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دی جائے گی۔ جب کسی چیز کو قانون کے دائرے میں لایا جائے تو قانون کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے۔ (بلکہ یہ اس کا اولین تقاضا ہوتا ہے) کہ جس چیز کو ممنوع قرار دیا جائے اس کے متعلق متعین طور پر بتا دیا جائے کہ وہ کونسی چیز ہے جسے ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ یعنی اس چیز کی تعریف (Definition) دی جائے۔ لہٰذا قانون نافذ کرتے وقت اس بات کی صراحت ضروری ہوگی کہ "شراب" جسے قانوناً ممنوع قرار دیا جا رہا ہے، کس چیز کو کہتے ہیں۔ بظاہر یہ بات کچھ مضحکہ انگیز سی

دکھائی دیگی کہ یہ متعین کیا جائے کہ "شراب کسے کہتے ہیں۔ کہدیا جائیگا کہ ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ شراب کسے کہتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو قانون کی باریکیوں سے واقفیت ہے وہ جانتے کہ اس بات کے تعین کے بغیر قانون ناقص رہ جاتا ہے۔ بعض لوگ بیئر (BEER) کے متعلق کہ دیتے ہیں کہ وہ شراب نہیں۔ اور خود ہمارے ہاں یہ مسئلہ شروع سے زیر بحث چلا آرہا ہے کہ نبیذ شراب (خمر) میں داخل ہے یا نہیں۔ بنا بریں اس کا تعین ضروری ہے کہ شراب کسے کہتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مشاورتی کونسل نے اس کی بابت بھی کوئی رائے دی ہے یا نہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس باب میں ڈاکٹروں کی رائے زیادہ موزوں ہو سکتی ہے

دوسری بات اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہم اس حقیقت کو دھرا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں شراب ممنوع ہے اور اسلامی معاشرہ میں اس کا استعمال قانوناً ممنوع ہونا چاہیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن حالات میں ہمارا معاشرہ اسوقت گرفتار ہے ان میں اس قانون کو نافذ کس طریق سے کیا جائے؟ یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس حکم سے زیادہ کسی قانون کی ضرورت ہی نہیں کہ اسلام نے جس شے کو ممنوع قرار دیا ہے اس سے باز رہنا ضروری ہے۔ قانون کی ضرورت ان لوگوں کے لئے پڑتی ہے جو یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ایسے کاموں سے باز نہیں آتے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے قانون کو کس انداز سے نافذ کیا جائے کہ اس پر واقعی عمل ہونا شروع ہو جائے اور وہ لوگ شراب کے استعمال سے باز آجائیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو خدشہ یہ ہے کہ اس قانون کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس وقت کئی ایک دیگر قوانین کا ہو رہا ہے۔ رشوت، چوربازاری۔ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ وغیرہ قانوناً منع ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سب کچھ کھلے بندوں ہوتا ہے اور قانون بے چارہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ایک چیز کہی ہے "کتاب" اور اس کے ساتھ دوسری چیز بتائی ہے۔ "حکمت"۔ کتاب کے معنی ہیں قانون اور حکمت کے معنی ہیں اس قانون کی غرض و غایت۔ اس کے مقاصد اور مصالح۔ اس کے مطابق زندگی کرنے کے فوائد اور اس کی خلاف ورزی کے نقصانات۔ اس نے جس قانون کی پابندی کرائی ہوتی ہے، وہ اس کی حکمت کو اس انداز سے عام اور دلنشیں کراتا ہے کہ انسان عقل و بصیرت کی رو سے (RATIONALLY) اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس قانون کی پابندی واقعی اس کے فائدے کے لئے ہے۔ اس طرح اس کے دل میں اس قانون کا احترام پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس قانون کی خلاف ورزی وہی لوگ کرتے ہیں جو یہ سب کچھ جانتے بوجھتے اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ انکی اصلاح یا روک تھام سزا کے ذریعے (خواہ وہ صرف تادیب ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو) کرائی جاتی ہے۔

قانون کے نفاذ کے لئے اس "طریق کار" کی ضرورت اگرچہ ہر قانون کی صورت میں ضروری ہے لیکن ایسے امور کے سلسلہ میں جن کا انسان عادی ہو چکا ہو اور طبعی یا نفسیاتی طور پر اس عادت کا یک لخت چھوڑنا مشکل ہو، اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً اگر آپ یہ قانون نافذ کرنا چاہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کے لئے خنزیر کے گوشت کا استعمال ممنوع ہے تو اسے آپ فی الفور بھی نافذ کر دیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص اس کا استعمال کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا یک لخت چھوڑ دینا کچھ مشکل نہیں۔ (اگرچہ ایسی صورتوں میں بھی اس قانون کی حکمت بیان کرنا بہت مفید ہوگا) لیکن (مثلاً) اگر آپ یہ قانون نافذ کرنا چاہیں کہ پاکستان میں تمباکو نوشی ممنوع ہے تو اس قانون کو آپ شتابانہ نافذ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اس پر باحسبہ عمل نہیں ہوگا۔ جو لوگ تمباکو کے عادی ہیں ان کے لئے ناممکن ہوگا کہ وہ اس کا استعمال یک لخت چھوڑ دیں۔ وہ اس قانون سے بچنے کی ہزار راہیں سوچیں گے۔ اس قانون کو مؤثر (Effective) بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے لوگوں کو متنبہ کر دیں کہ اب قانون نافذ ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ تمباکو نوشی کے نقصانات کے متعلق عام پبلسٹی کریں اور ایسا مسلسل اور متواتر کرتے جائیں۔ اور لوگوں کی توجہ بار بار اس طرف منعطف کراتے رہیں۔ جب یہ خیالات فضا میں عام ہو جائیں تو پھر اس قانون کو نافذ کر دیں۔ اس طرح یہ قانون فی الجملہ مؤثر ہو جائے گا۔

نظر آتا ہے کہ قرآن کریم نے امتناع شراب کے سلسلہ میں یہی تدریجی طریق اختیار کیا تھا۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ایسے لوگوں سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ اس عادت کو یک لخت چھوڑ دیں نفسیاتی ناممکنات میں سے تھا چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضورؐ کی مکہ کی (تیرہ سالہ) زندگی میں امتناع شراب کا حکم نہیں دیا گیا۔ مدنی زندگی میں جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو اتنا کہا گیا کہ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (۲/۲۱۹) ان سے کہہ دو کہ (خمر اور میسرہ میں) نقصانات بھی ہیں اور فائدے بھی۔ لیکن ان کے نقصانات ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ نفع اور نقصان کا موازنہ کرنے کے بعد فیصلہ کرنے کی روش اختیار کئے ہوں گے انہوں نے اس تصریح کے بعد از خود شراب چھوڑ دی ہوگی۔

اس کے بعد اگلا حکم یہ آیا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ (۴/۴۳)۔ جب تم ہوش میں نہ ہو تو اجتماع صلوٰۃ میں شریک نہ ہوا کرو۔ ظاہر ہے کہ بہت سے قلوب کے لئے یہ تنبیہ بھی بڑی کارگر ثابت ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ میں یہ حکم آیا کہ "خمر اور میسر وغیرہ شیطانی افعال ہیں اور انسان کی کامیابی کی راہ میں سخت رکاوٹ کا باعث۔ اس لئے تم ان سے باز رہو۔"

اس کے بعد اس قانون کی مزید حکمت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یاد رکھو۔ یہ تم میں انفرادی کمزوری پیدا کرنے کے علاوہ باہمی عداوت اور کینہ پیدا کردیں گے اور قوانین خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے اور نظامِ صلوٰۃ کے قائم کرنے سے تمہیں روک دیں گے" اس کے بعد فرمایا "فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (۵ : ۹۱)

کیا اس قدر وضاحت کے بعد بھی تم ان چیزوں سے باز نہیں رہتے؟

اب کون ایسا ہو سکتا تھا جو اس سے باز نہ آتا؛ وہ جو کہا جاتا ہے کہ امتناعِ شراب کا حکم آنے پر مدینہ کی گلیوں میں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے ڈھیر لگ گئے اور وہاں کی نالیوں میں شراب بہنے لگی، تو وہ اس مقام کا ذکر ہے، جہاں تک ان لوگوں کو اتنے لمبے عرصہ کی تربیت کے بعد لایا گیا تھا۔ ایسے امور میں قانون کے نفاذ کے لئے قرآن کریم یہ حکیمانہ انداز اختیار کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ آخری حکم نافذ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی نہیں ہوتی یوں قانون مؤثر (EFFECTIVE) بنتا ہے۔

ہمارے ہاں محراب و منبر کی طرف سے یہ تو بتایا جاتا ہے کہ جب امتناعِ شراب کا حکم آیا تو مدینہ کی گلیوں میں کیسے شراب بہنے لگی۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ ان لوگوں کو اس مقام تک کیسے پہنچایا کہ جب امتناعی حکم آیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے جام و سبو کے ٹکڑے کر دیئے۔ دوسری طرف حکومت کی یہ حالت ہے کہ اس نے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جس قانون کو وہ نافذ کرنا چاہتی ہے اس کی غرض و غایت اور مصالح و حکم کے متعلق عام پبلسٹی کی جائے۔ یا جن نقصان رساں امور کے لوگ عادی ہو چکے ہیں یا وہ باتیں معاشرہ میں عام ہو چکی ہیں ان کے نقصانات کے متعلق لوگوں کو مسلسل اور متواتر متنبہ کیا جائے حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے ہاں ایک مستقل شعبہ ہونا چاہیئے جس کا کام یہ ہو کہ جو امور معاشرہ میں خرابیاں پیدا کرنے کا موجب ہیں لوگوں میں ان کے نقصانات کے متعلق عام پبلسٹی کی جائے اور اس طرح ان میں ایسی کیفیت پیدا کی جائے کہ وہ انہیں ترک کر دینے میں اپنا فائدہ محسوس کرنے لگیں۔ نہیں اس طرح سمجھانے کے بعد یہ بتایا جائے کہ یہ وجہ ہے کہ اسلام نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اس کے بعد اسلام کے ان قوانین اور احکام کو معاشرہ میں نافذ کیا جائے۔ دوسری طرف ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم ایسی دی جائے جس سے ان خرابیوں کے نقصان رساں ثمرات کے خلاف نوجوان طالب علموں کے دل میں نفرت اور بغاوت کے جذبات بیدار ہو جائیں اور وہ ان سے خود بھی محترز رہیں اور دوسروں کو بھی ان کی طرف آنے سے روکیں۔ حکومت نے اس سے تغافل برتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ قانون یہ قانون نافذ کئے جاتی ہے، لیکن معاشرہ میں اصلاح کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

بنابریں، ہم اربابِ حکومت سے گزارش کریں گے کہ وہ امتناعِ شراب کے متعلق قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں ایسے قانون کے متعلق دو آراء ہو نہیں سکتیں)، تو اس کے لئے ایک تاریخ مقرر کرے، اور اس سے پہلے شراب کے نقصان رساں اثرات کے متعلق اس قدر پبلسٹی کرے کہ اس سے فضا ممہود ہو جائے (اور جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے) اس کی ضرورت شراب تک ہی محدود نہیں۔ قرآن کریم نے جن جن امور سے روکا ہے، ان سب کے متعلق اس قسم کی مسلسل اور عام پبلسٹی کی ضرورت ناگزیر ہے۔ نہ صرف عام پبلسٹی بلکہ تعلیم کے ذریعے بھی ایسی فضا کا عام کرنا۔ پہلے یہ کیا جائے اور اس کے بعد ان قوانین کو ملک میں نافذ کیا جائے۔ اور جو شخص اس کے بعد ان کے خلاف ورزی کرے، اسے سخت سزا دی جائے۔

بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ شراب کے متعلق یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ یہ "حرام" ہے اس لئے اس کا استعمال ممنوع نہیں ہونا چاہیئے۔ (گویا جن چیزوں کے متعلق "حرام" کا لفظ آیا ہے ان سے تو یہ حضرات بالکل پاک اور صاف رہتے ہیں اور شراب کے متعلق ان کی دشواری یہ ہے کہ اس کے لئے "حرام" کا لفظ نہیں آیا!!) خمر کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ یہ (۱) رجس ہے۔ رجس ایسے اضطراب انگیز امور کو کہتے ہیں جو انسان کو تباہی کی طرف لے جائیں۔ (۲) شیطان کا فعل ہے (۳) اس سے باہمی عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے (۴) یہ قوانین خداوندی کے اتباع کے راستے میں روک بن جاتی ہے (۵) اس سے انسان اپنے بلند مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتا (۶) اس سے اس قدر اضمحلال اور افسردگی پیدا ہوتی ہے کہ انسان میں قوتِ عمل باقی نہیں رہتی ——— اور اس کے بعد کہا کہ

بتاؤ! تم اس سے باز آتے ہو یا نہیں۔

فرمائیے کہ ان تصریحات کے بعد اس کے متعلق کسی قسم کے شبہ کی گنجائش بھی باقی رہ سکتی ہے کہ اسلام میں شراب کا استعمال ممنوع ہے؟

اس سلسلہ میں البتہ ایک بات قابلِ غور ہے۔ بعض امراض ایسے ہیں جن میں ڈاکٹر شراب کے چند قطرات بطور دوائی استعمال کرتے ہیں۔ یا انہیں ایسی دوائیاں تجویز کرنی پڑتی ہیں جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے۔ (اور آجکل تو عام طور پر دوائیاں ایسی ہی ملتی ہیں) اور ان کے بغیر مریض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خیال میں یہ صورتیں اس "اضطراری حالت" کے تابع آجاتی ہیں جن میں قرآن نے حرام اشیاء کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔ لیکن وہ اجازت صرف اضطراری حالت تک کے لئے ہے۔ لذت یابی یا قانون شکنی کے لئے نہیں۔ ایسے حالات کے لئے قانون میں گنجائش رکھنی ضروری ہوگی

لیکن اس گنجائش کی شکل ایسی نہ ہو جس سے شراب کے دھارے عام بہنے لگ جائیں اور قانون بیچارا دیکھنے کا دیکھتا رہ جائے ـــ ایسی صورتوں کو روکنے کا طریقہ بھی وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اس کے نقصان رساں اثرات کے خلاف عام بیداری کی جائے۔ بالفاظِ دیگر، تبلیغ اور تعلیم کے ذریعے ذہنوں میں علیٰ وجہ البصیرت ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس سے قانون کا احترام، دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو نہ محراب و منبر سے اس آواز کا بلند ہونا کچھ نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ کہ "اسلام نے فلاں چیز کو حرام قرار دیا ہے" اور نہ ہی ایوانِ حکومت سے کسی قانون کا نفاذ اصلاح کی صورت پیدا کر سکتا ہے۔ جس طرح حکمت بلا کتاب (قانون) محض وعظ (SERMON) بن کر رہ جاتی ہے اسی طرح کتاب بلا حکمت بار دوش ہو جاتی ہے۔ کتاب اور حکمت دونوں کے امتزاج سے صحیح نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ اقبال کے الفاظ ہیں۔

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں ‏ ‏ ‏ قوت بے رائے جہل است و جنوں

پابندی اسی قانون کی بطیبِ خاطر ہوتی ہے جس کی افادیت کا دل معترف ہو۔ نہ اس کی جسے محض خارج سے عائد شدہ حکم سمجھا جائے اور نہ سے مرگِ مفاجات سمجھ کر قبول کیا جائے۔

۲۔ مسلم نیشنلزم

قرآن کریم نے دنیا کو جس قدر انقلابی نظریات عطا کئے ہیں ان میں ایک لا ورنہایت اہم اور بنیادی) نظریہ یہ بھی ہے کہ قوم کی تشکیل آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک سے ہوتی ہے نہ کہ وطن، زبان، نسل، رنگ وغیرہ کے اشتراک سے۔ اس نے یہ نظریہ عطا کیا اور نبی اکرمؐ نے اس کے مطابق ایک نئی اُمت کی تشکیل کر کے بتا دیا کہ یہ کس قدر ممکن العمل نظریہ ہے۔ اس نئی امت کے ساتھ ایک مملکت بھی وجود میں آئی جس کی وسعتیں آہستہ آہستہ حدود فراموش ہوتی چلی گئیں اور مختلف جغرافیائی حدود میں بسنے والے مسلمان اس کے دائرے کے اندر آتے چلے گئے۔ اس مملکت کا مرکز ایک ہی تھا۔ صرف انتظامی سہولتوں کی خاطر اسے مختلف ولایتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اس تقسیم سے نہ مملکت کی مرکزیت پہ کوئی اثر پڑ سکتا تھا نہ امت کی وحدت پہ۔ ایک امت۔ ایک مملکت۔ ایک مرکز۔ ایک قانون۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کی مملکتوں کا مجموعی

رقبہ قرونِ اول کی مملکت کے رقبہ سے کہیں زیادہ ہے اس طرح ان کی آبادی بہ حیثیت مجموعی اُن کی آبادی سے کہیں بیش۔ لیکن مملکتیں مختلف حصوں میں بٹی ہوئی ہیں اور ہر ایک کی مرکزیت الگ الگ ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ایک امت کا تصور رکھنے کے باوجود ایک قوم نہیں ہیں۔ ہر مملکت میں بسنے والے مسلمان اپنے آپ کو الگ قوم تصور کرتے ہیں۔ اور ان کے باہمی تعلقات اسی طرح باہمی معاہدات سے استوار ہوتے ہیں جس طرح غیر مسلم اقوام کے تعلقات ان کے باہمی معاہدات کی رو سے قائم ہوتے اور ٹوٹتے ہیں۔ یا جسطرح مسلمان مملکتوں کے تعلقات معاہدات کی رو سے غیر مسلم مملکتوں کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ان میں آئیڈیالوجی (ایمان یا دین) کے اشتراک کا زبانی دعوے ان کی عملی زندگی میں کہیں اثر انداز نہیں ہو رہا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مقصودہ آں ایمان کر نماید در عمل۔ اس زبانی دعوے کا فائدہ کیا ہے۔ جو عمل سے ظاہر نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کے وحدتِ امت کے نظریہ کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے کیا کیا جائے؟ یعنی جہاں تک نصب العین کا تعلق ہے اس میں کوئی کلام ہی نہیں کہ اسلام کی رو سے قوم کی تشکیل آئیڈیالوجی کی وحدت سے ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے کرنا کیا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک اس کیلئے حسب ذیل پروگرام عمدہ نتائج کا حامل ہوسکتا ہے

(۱) سر دست مسلمانوں کی موجودہ مملکتوں کی الگ الگ حیثیتوں کو علیٰ حالہ رہنے دیا جائے اور ان کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) ہر مملکت کے اندر اس نظریہ کو عام کیا جائے کہ قرآن کی رو سے قومیت کی بنیاد آئیڈیالوجی کے اشتراک پر ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اس مملکت کی حدود کے اندر بسنے والے مسلمان اپنے آپ کو غیر مسلموں سے الگ قوم تصور کریں اور اس کے اعلان سے کوئی جھجک یا ندامت محسوس نہ کریں۔

(۳) جو مملکتیں اس نظریہ پر عمل پیرا ہو جائیں ان میں بین المملکتی تعلقات نئے خطوط پہ استوار کئے جائیں۔ ان میں بنیادی تبدیلی یہ ہونی چاہیئے کہ

(ا) ایک مملکت کا مسلمان باشندہ دوسری مملکت میں جائے تو اسے اگر ابتداءً اس مملکت کی شہریت کے کل حقوق نہ بھی دئے جا سکیں تو بھی اسے نقل و حرکت کی ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مملکت میں اجنبی محسوس نہ کرے۔ مثلاً بےروک (راہداری) یا ذرمبادلہ کی سہولتیں۔

(ب) ان میں اقتصادی معاہدات اس قسم کے ہوں کہ آہستہ آہستہ ان کی معاشی ناہمواریاں دور ہوتی چلی جائیں اور ایک مملکت کی خوش حالی میں دوسری مملکت کے باشندے بھی شریک ہو سکیں۔ مثلاً اگر ایک مملکت میں سوءِ اتفاق سے قحط پڑ گیا ہے اور دوسرے مملکت کے پاس غلہ فاضل ہے تو اسے اس مملکت کے باشندوں کے لئے دے دیا جائے۔

(ج) سب سے بڑی بات یہ کہ ان مملکتوں کی خارجہ پالیسی ایسی ہو کہ ایک مملکت کے مسلمان کی تلوار دوسری مملکت کے مسلمان کے خلاف کسی صورت میں نہ اٹھے۔

(د) رفتہ رفتہ ان مملکتوں میں باہمی وفاق کی شکل پیدا کی جائے۔ اس وفاق کی بنیاد وحدتِ قانون پر ہو۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ یہ مملکتیں قرآن کریم کو قانون کی بنیاد تسلیم کر لیں اور جن امور میں قرآن نے صرف اصولی راہ نمائی دی ہے ان کی جزئیات ہر مملکت کے مقامی یا مخصوص تقاضوں کو سامنے رکھ کر متعین کی جائیں۔

(ہ) اس طرح ان مملکتوں کا نصابِ تعلیم اس طرح مرتب کیا جائے کہ قرآن کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار ہر جگہ مشترک ہوں۔

اگر کوئی دو مسلمان مملکتیں بھی اس قسم کا اتحاد کر لیں تو یہ "وحدت" کی طرف ایک اہم قدم ہوگا کچھ عجب نہیں کہ اس کے بعد یہ کسی مشترکہ شکل میں مشترکہ مرکز پر بھی متفق ہو جائیں۔ بُعدِ مکانی اب ان امور میں قطعاً حائل نہیں ہو سکتا۔ اگر مغربی اور مشرقی پاکستان اس قدر بُعدِ مکانی کے باوجود ایک وحدت بن سکتے ہیں تو (مثلاً) پاکستان اور ایران یا پاکستان اور افغانستان میں ایسی صورت کیوں نہیں پیدا ہو سکتی! ان میں تو بُعدِ مکانی اس سے بھی کم ہے۔ لیکن اس کے بھی پہلا قدم یہ ہے کہ خود اِس مملکت کے اندر وحدت پیدا ہو۔ یعنی اس میں نسلی۔ جغرافیائی۔ سیاسی۔ حتّٰی کہ مذہبی گروہ بندیوں کو ختم کر کے وحدتِ امت پیدا کی جائے۔ اور یہ بات اسی صورت میں پیدا ہو سکے گی کہ ہم اپنے معاشرہ کی عمارت قرآن کریم کی بنیادوں پر استوار کریں۔ یعنی پہلے اس آئیڈیالوجی کے اشتراک سے خود ایک قوم بنیں اور اس کے بعد دوسروں کو وحدت کی دعوت دیں۔ ہمارے نزدیک "مسلم نیشنلزم" کا مفہوم یہی ہے۔ اور اسی سے آخر الامر ہم وحدتِ امت کے نصب العین تک پہنچ سکتے ہیں اور یہی وحدت پھر عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل کا ذریعہ بن سکے گی۔ جو اسلام کا مقصود ہے۔

۳۔ توہم پرستی کی ترویج و اشاعت

اسلام نام ہے علم و بصیرت اور عقل و فکر کے ساتھ صداقت کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کا۔ لیکن ہمارے ہاں اسے توہم پرستوں کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے . . . .

. . . . ان توہم پرستیوں کی ترویج و اشاعت کے لئے ہماری مساجد کے گوشے ہی کچھ کم نہ تھے کہ اب کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں کے اردو اخبارات بھی اس میدان میں اتر آئے ہیں اور بڑی شد و مد سے اس "جہاد عظیم" میں مصروف ہیں۔ اخبارات کا منصب یہ تھا کہ وہ صحیح خبریں شائع کریں اور اہم معاملات پر اظہار رائے کریں۔ اس کے بعد بعض اخبارات نے اہم تقاریب پر اپنے خاص نمبر شائع کرنے شروع کئے جن میں اس تقریب سے متعلق مضامین درج ہوتے تھے۔ لیکن اب صورت یہ ہو گئی ہے کہ ان کا ہر نمبر خاص نمبر ہوتا ہے اور اس میں ہر اخبار دوسرے اخبارات سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر روز ایسے مضامین کہاں سے مل سکتے ہیں جن میں کام کی باتیں ہوں۔ اس لئے لامحالہ اخبار کے صفحات کو رطب و یابس سے پڑ تا ہے۔ اس رطب و یابس کے لئے "مذہب" کا میدان بڑا وسیع ہے۔ (دین کا نہیں بلکہ مذہب کا)۔ یہ وہ میدان ہے کہ جس میں ہر وہ بات جو علم و عقل کے خلاف ہو عقیدت مندی کی دلیل اور ہر وہ واقعہ (بلکہ افسانہ) جو خلاف عادت ہو، بزرگوں کی کرامت قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میدان میں ہمارے یہ اخبارات ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں سرپٹ دوڑتے ہیں اور توہم پرستیوں اور اعجوبہ پسندیوں کے ایسے طومار جمع کرتے ہیں جن پر علم روئے اور عقل ماتم کرے۔ مثلاً ایک اخبار میں بیت المقدس قبۃ الصخراء کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ

> قبۃ الصخرا دنیا جہان کے مسلمانوں کے لئے نہایت تقدس کا حامل ہے۔ خانہ کعبہ اور گنبد خضرا کے بعد اسی کا درجہ ہے اور اس کے طفیل اس شہر کو جس میں یہ قبہ واقع ہے بیت المقدس کہا جاتا ہے اس کی قدامت کے ضمن میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہبوط آدم سے بھی دو ہزار سال پہلے فرشتے اس کا طواف کر چکے تھے۔ طوفان نوح کے بعد حضرت نوح کی کشتی اسی چٹان کا صخرا کے گرد رکی تھی اور یہ کہ قیامت کے

> روز حضرت اسرافیل اسی چٹان پر کھڑے ہو کر صور پھونکیں گے۔ ان روایات کی صحت کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے مگر اس امر پر تمام مفسرین اور محدثین متفق الرائے ہیں کہ صخرا بہشت کی چٹانوں میں سے ہے۔ اسی لئے اسے بیت الجنۃ کہا ہے

اور یہ تو ابھی تبینہ الصخرا کے متعلق ہے۔ ان میں جب کسی سائیں گھوڑے شاہ کی کرامات اور دھریک پیر کے کشف و الہام کا ذکر ہوتا ہے تو طلسم ہوش ربا کے افسانے بھی مات ہو جاتے ہیں یہ ہیں وہ نوادرات جنہیں یہ اخبارات ہر روز شائع کرتے رہتے ہیں۔ اب آپ سوچئے کہ جب اس قسم کی توہم پرستیوں کے قصے ہر روز شائع ہوں اور انہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں آدمی پڑھیں تو اس قوم کی ذہنی سطح کس پستی تک پہنچ جائے گی! اور پھر تاسف بالائے تاسف یہ کہ، یہ کچھ کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت نہیں کیا جا رہا بلکہ محض تجارتی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے۔ اخبارات قوموں کے ذہن کی تعمیر میں بڑا نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ لیکن جب کسی قوم کے اخبارات اس سطح پر اتر آئیں تو اس سے جو تخریبی نتائج پیدا ہو سکتے ہیں ان کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے ان جرائد سے گذارش کریں گے کہ وہ قوم کی زندگی میں اپنے مقام کو پہچانیں اور اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، اور قوم کو وہی کچھ دیں جس سے ان کے ذہنوں کی تعمیر عمدہ خطوط پر ہو۔ دوسری طرف ہم اخبارات کے قارئین سے بھی گذارش کریں گے کہ وہ ان اخبارات کا محاسبہ کرتے رہا کریں اور جہاں کوئی بات علمی سطح سے گری ہوئی دیکھیں متعلقہ اخبار کو فوراً ٹوک دیں۔ ایسے اہم معاملات میں چشم پوشی بڑے دور رس تخریبی نتائج کا موجب ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام کے خریدار

— توجہ فرمائیں —

آپ کی اطلاع کے لئے طلوعِ اسلام میں بارہا یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ جن حضرات کے چندے ختم ہو جاتے ہیں۔ رسالے کا پہلا ورق الٹتے ہی ایک مطبوعہ کارڈ ان کے سامنے آئے گا یہ کارڈ ان کا چندہ ختم ہونے کی اطلاع ہے اور انہیں چاہیئے کہ منسلکہ کارڈ ملتے ہی ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک اس میں مناسب خانہ پری کر کے ہمیں واپس ارسال فرما دیں۔ (ان پر کوئی ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں) جواب نہ ملنے کی صورت میں آئندہ سال کے چندے کے لئے انہیں ایک پرانا پرچہ بذریعہ وی۔پی ارسال کر دیا جاتا ہے۔ یہ پرچہ کسی حساب میں شمار نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں یہ وی۔پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ ادارہ سے خط و کتابت کرتے ہوئے اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ (ناظم ادارہ)

اسلام میں قانون سازی کا اصول

اسلام میں قانون سازی کے اصول کے سلسلے میں طلوع اسلام نے جو قرآنی نظریہ پیش کیا ہے قارئین اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس نظریہ کا ملخص یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو اصول اور قوانین بیان ہوئے ہیں وہ غیر متبدل ہیں۔ ان میں کمی بیشی یا تغیر و تبدل کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ البتہ اس کے بیان کردہ اصول کی جزئیات زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتی رہیں گی۔ ان جزئیات کے مرتب کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اسلامی مملکت ایک مجلس مشاورت مقرر کرے گی جو ان امور پر غور و خوض کے بعد قرآن کریم کی کلی تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے جزئی قوانین مرتب کریگی۔ ان جزئی قوانین کو جب مملکت کی مرکزی اتھارٹی نافذ کریگی تو ان کی حیثیت شرعی قوانین کی ہو جائیگی۔ جیسا کہ معلوم ہے قدامت پرست طبقہ کی طرف سے اس نظریہ کی مخالفت ہوئی۔ اسلئے کہ ان کے نزدیک "جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے" اس سے ذرہ بھی اِدھر اُدھر ہٹنا کفر و الحاد کے مرادف ہے۔

مولانا محمد تقی امینی صاحب ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ انہوں نے علماء کے اجتماع میں ایک تقریر کی تھی جس میں انہوں نے قانون سازی کے مندرجہ بالا اصول پر روشنی ڈالی تھی۔ ہم اس تقریر کو (اپنے حواشی کے ساتھ) ماہنامہ "برہان" دہلی کے شکریے کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں جہاں "اجماع" کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے ان کی مراد مجلس مشاورت کا فیصلہ ہے۔ انہوں نے اسکی وضاحت اپنی تقریر میں خود ہی کر دی ہے۔ [طلوع اسلام]

جدید مسائل حل کرنا ہو یا سماجی خرابیوں کی وجہ سے مسلم پرسنل لار پر نظر ثانی ہو، اس قسم کے جملہ شرعی امور کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ " اجماع " کو متحرک اور جاندار بنایا جائے،

" اجماع " دراصل قانون کو قابلِ عمل و قابلِ نفاذ بنانے کے لئے ایک قسم کا اختیار ہے جو شارع اصلی اور مقنن حقیقی کی طرف سے ان لوگوں کو عطاء ہوا ہے جو فکری و علمی حیثیت سے اسکی صلاحیت رکھتے ہیں اجماع کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات، دینوی تشریحات اپنے اپنے رنگ میں جامع ہونے کے باوجود ہر دور کی خرابیوں، ورنت نئے پیدا شدہ حالات و مسائل کے تذکرہ سے خالی ہیں بلاشبہ الٰہی ہدایات اپنی جگہ کامل ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔

لیکن کامل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر قسم کی سماجی خرابیوں پر قابو پانے کی تدبیریں اور ہر دور کے نئے پیش آمدہ مسئلوں کا تفصیلی ذکر ان میں موجود ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں ہے لا ادس اج حکم کل حادثۃ فی القرآن[۵] (ایسا نہیں ہے کہ ہر جزئی واقعہ و حادثہ کا حکم قرآن حکیم میں موجود ہے)

ایسی حالت میں فطری طور پر کسی ایسی شکل کی ضرورت ہے جو وقتی ضرورت موجودہ مسائل کا حل متعین کرتی رہے اور الٰہی ہدایات کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کر کے زندگی اور قانون میں ہم آہنگی پیدا کرتی رہے ورنہ زمانہ کا " مفتی " بہت سے مروجہ مسائل کو مہمل قرار دیدے گا اور پیش آمدہ مسائل میں اپنا رنگ بھر کر لوگوں کو عمل کے لئے مجبور کر دے گا۔ اور پھر دین کے کمال کا دعویٰ باطل ہو جائیگا۔

اسلامی اصولِ قانون میں " اجماع " کو جس قدر زیادہ اہمیت حاصل ہے بد قسمتی سے اسلامی تاریخ میں اسی قدر بے توجہی برتی گئی ہے۔ شخصی حکومتوں کے زمانہ میں اس بنا پر حوصلہ افزائی نہیں کی گئی کہ حکومتیں عموماً ایسا کوئی " ادارہ " برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہیں جو ایک طرف تو حالات و مسائل میں آزادانہ غور و فکر اور فیصلہ کا حامل ہو اور دوسری طرف عوامی رجحان کو مائل کرنیکی اس میں طاقت و صلاحیت ہو۔

دراصل اس سیاسی مفاد کی وجہ سے " اجماع " جیسے اہم اصول کو بروئے کار آتے رہنے کا موقع نہ مل سکا اور بعد میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اجماع میں چونکہ جمیع امت کا اتفاق ہونا چاہیئے اور یہ صورت حال تقریباً ناممکن ہے اس لئے اجماع کا انعقاد بھی ناممکن ہے حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں۔

---

۵ تلویح صفحہ

"اصل ثالث از اصول شریعت اجماع است باز اجماعیکہ متخیل اہل زبان است بمعنی اتفاق جمیع امّت مرحومہ بحیثیت لا یشذ منہم فرد واحد نصّاً من کل واحد منہم خیال محال است ہرگز واقع نشدہ"

پھر آگے فرماتے ہیں :-

اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہل حل و عقد است از فقیہان امصار ایں معنی در مسائل مصرحہ فاروق اعظم یافتہ می شود کہ اہل حل و عقد برآں اتفاق کردہ اند [1]

اجماع کی ممکن العمل صورت یہی ہے کہ قانونی معاملات میں اہل حل و عقد کی ایک مجلس مشاورت قائم کی جائے اور وہ معاملات و مسائل میں غور و فکر کے بعد صحیح حل تجویز کرے جو ایک طرف کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اور دوسری طرف ضروریات زندگی سے ہم آہنگی پیدا کرنے والا اور دشواریوں پر قابو پانے والا ہو

اجماع بحیثیت مجموعی ہدایت الٰہی کی کل پالیسی اور بنیادی اصول کے تحت ہونا چاہیئے علیحدہ علیحدہ قرآن و سنت میں اس کی سند ضروری نہیں ہے ورنہ اجماع سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا یعنی جس امر پر اجماع ہوا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں اس کے لئے مستقل سند موجود ہو [2] بلکہ اس کا اسلام کے بنیادی اصول اور اس کی کلی پالیسی کے تحت ہونا کافی ہے جیسا کہ فقہاء کی تشریحات سے واضح ہوتا ہے [3]

البتہ جن لوگوں سے اجماع منعقد ہوتا ہے یا اصلاح کے مطابق جو اس معاملہ میں اہل حل و عقد کہلانے کے مستحق ہیں ان کا علمی اور عملی حیثیت سے معیاری اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ قوم اُن کے فیصلہ کو سند کا مقام دینے میں حق بجانب ہو [4] علمی حیثیت سے مثلاً :-

(۱) قرآن حکیم میں علم و بصیرت کا درجہ حاصل ہو صرف معلومات کافی نہ ہوں گے۔

(۲) سنت نبوی کو روایت و درایت کے معیار پر جانچنے کے طریقہ سے واقفیت ہو [5] اور اس کے صحیح مقام محل کے تعین کی معرفت ہو۔

---

[1] ازالۃ الخفاء　[2] جب قرآن کریم کے کسی اصولی حکم کی جزئیات متعین کی جائینگی تو اس اصولی حکم کی مستقل سند قرآن میں موجود ہوگی۔ اس سند کے بغیر وہ اصول، قرآنی اصول کیسے قرار پا سکیگا۔ (طلوع اسلام)　[3] ملاحظہ ہو التقریر و التحبیر ج ۳ ص ۱۱۲

[4] یہ سند مجلس شوریٰ ہی میں ہوگی بلکہ ملت کی وہ مرکزی اتھارٹی ہوگی جو فیصلہ کو نافذ کریگی (طلوع اسلام)

[5] حقیقی اور آخری معیار قرآن کریم ہے۔ ہم تک جو سنت الٰہی ہے اسے بھی اسی معیار پر جانچنا چاہیئے (طلوع اسلام)

(۳) صحابۂ کرام کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماع و فیصلہ کا علم ہو۔

(۴) قیاس کے ذریعہ استدلال و استنباط کے اصول و قواعد معلوم ہوں۔

(۵) قوم کے مزاج، حالات و تقاضوں، رسم و رواج اور عادات و خصائل سے بھی واقفیت ہو۔

(۶) جدید رجحانات اور تقاضوں سے واقفیت کے سلئے ایسے حضرات کو شامل کیا جائے جو زیر بحث معاملات میں سنجیدگی اور بصیرت کے ساتھ رائے دے سکیں۔

اجماع کے افراد کا عملی حیثیت سے اونچے اخلاق و کردار کا حامل ہونا ضروری ہے، ماموارت پر عمل کرتے ہوں اور منہیات سے بچتے ہوں، اس کے لئے تقویٰ کا کوئی خاص معیار متعین نہیں ہے بلکہ فسق و فجور اور بری عادتوں سے پاک ہونا کافی ہے، اسی طرح زندگی کے حالات و معاملات میں غیر محتاط نہ ہونا چاہیئے۔

اجماع کے انعقاد کے لئے صاحب صلاحیت افراد کا کثیر تعداد میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ نہ مہیا ہونے کی صورت میں کم از کم تین سے بھی کام چل سکتا ہے۔

ایسے فیصلہ میں ہر حیثیت سے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اکثریت کا اتفاق کافی ہے۔ صحابۂ کرام کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

(انہ ینعقد مع مخالفۃ الاقل)[۱]

قاعدہ کے مطابق اجماع منعقد ہونے کے بعد اسلام کے قانونی نظام میں اسے کافی اختیارات حاصل ہیں مثلاً:-

(۱) حالات اور تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصالح کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات، رسم و رواج خصائل و عادات ملحوظ ہیں، اور ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لئے نیا قالب تیار کرنا۔[۲]

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضا اور مصلحت کے تحت ہیں موجودہ تقاضا اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔[۳]

---

[۱] از حصول المامول من علم الاصول ص ۰۰۔

[۲، ۳] یہ صورت سنت اور فقہ میں پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے احکام میں نہیں۔ وہ زمان و مکان کے وقتی تقاضوں کے ماتحت نہیں دیئے گئے تھے۔ (طلوعِ اسلام)

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بناء پہ ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات و تقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ

جن لوگوں نے الہٰی ہدایات کا دقتِ نظر اور وسعتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے نیز مروجہ احکام و مراسم کے باب میں انبیائی طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے (جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ رح کی کتابوں میں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے) وہ اس حقیقت سے انکار نہ کرسکیں گے۔ ہدایت الٰہی کے پیشِ نظر ہمیشہ دو مقصد رہے ہیں۔

(۱) قلبی و روحانی اصلاح اور (۲) معاشرتی و تمدنی فلاح۔ اس لحاظ سے "ہدایت" میں دو قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں: (۱) ایک وہ جن کی روح اور قالب یا معنیٰ اور صورت دونوں ہی متعین اور مقصود ہیں (۲) دوسرے وہ جن کی روح اور معنیٰ مقصود ہیں، قالب اور صورت مقصود نہیں ہیں۔

پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل وصورت میں ہوسکتی ہے اور نہ روح و معنیٰ میں، اور دوسری قسم کے قوانین چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات، وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہوتے ہیں[1] اس لئے معاشرہ کی حالت کی تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی کی گنجائش ہے، شارع کی طرف سے ان کی صرف روح کی بقاء کا مطالبہ ہے۔ حالات و زمانے کے تقاضے کے لحاظ سے شکل و صورت جو بھی متعین ہو اس سے بحث نہیں ہے، قرآنِ حکیم کی بعض آیات سے بھی اس بحث پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً :-

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الخ ۳/۹۳ اور فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ الخ ۴/۱۶۰

ہدایتِ الٰہی کی مذکورہ نوعیت و کیفیت کی بناء پہ ہر دور میں درج ذیل کاموں کی ضرورت رہتی ہے۔

(۱) حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بناء پر اس کے موقع و محل میں تبدیلی لازمی ہو گئی ہے تو روح اور پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے حال اور مقام کی مناسبت سے اس کی صورت متعین کرنا۔ مثلاً محنت و سرمایہ میں توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ یا حق اور فرض کے حدود متعین کرنے کا سوال وغیرہ۔

(۲) حکم موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے قومی و ملی نقصان کا یقین ہے یا حالات و مصلحت کے بدل جانے کی وجہ سے اس کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے[2] مثلاً ذرائع پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی تقسیم کا مسئلہ ہے یا سرمایہ اور زمین کی تنظیم کے بعد تجارت و زراعت کے بہت سے فقہی مسائل اپنے مقصد میں

[1] و [2] قرآنی احکام کی یہ صورت نہیں ہوتی (طلوعِ اسلام)

بڑی حد تک ناکام رہتے ہیں اور شارع کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح معاشرتی زندگی کے بعض فقہی مسائل ہیں جن کا نہ اب محل باقی رہا ہے اور نہ ان پر عمل در آمد سے شارع کا مقصد ہی حاصل ہوتا ہے۔

(۳) زمانہ کی کروٹوں اور نئی نئی ضرورتوں نے ایسے حالات و مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا فقہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ اصولی اور عمومی رنگ میں ہدایت الٰہی ان سب کو شامل ہے مثلاً موجودہ دور کے مالیاتی و سماجی نظام نے بہت سے مسائل (کمرشل انٹرسٹ، انشورنس، کوآپریٹو سوسائٹیاں وغیرہ) ایسے پیدا کر دیئے ہیں جن میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچنا ہے اور مذہبی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے قوم و ملت کی رہنمائی کرنا ہے[۱]

ان کاموں کے لئے دوسری ضروری چیز اجتہاد کے بند دروازہ کو کھولنا ہے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں جو طبقہ اجتہاد کا پُرزور حامی ہے وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے اس کی نظر میں عملاً عرصہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اس کی کنجی بھی گم ہو گئی ہے۔ فقہاء نے ان دونوں افراد و تفریط کی راہوں کی برائی بیان کی ہے اور اجتہاد کو فقہ کا اصل مدار (علیہ مدار الفقہ[۲]) اور تکمیل ہدایت کا اہم باب قرار دیا ہے۔ چنانچہ،

ولا شک ان الاحکام التی تثبت بصریح الوحی بالنسبۃ الی الحوادث الواقعۃ قلیلۃ غایۃ القلۃ فلو لم یعلم احکام تلک الحوادث من الوحی الصریح بقیت احکامھا مھملۃ لا یکون الدین کاملا فلا بد من ان یکون للمجتھدین ولایۃ استنباط احکامھا[۳]

اس میں شبہ نہیں کہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے مقابلہ میں نہایت ہی کم ہیں اگر ان کا حکم وحی صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائیگا، اس بنا پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے،

فلا بد من حدوث وقائع لا تکون منصوصۃ[۴] علی حکمھا ولا یوجد للاولین فیھا اجتھاد

یہ ضروری بات ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا صریحی حکم نہ موجود ہو[۵] اور نہ پہلے لوگوں نے ان میں اجتہاد کیا ہو

---

[۱] اسلام میں مذہبی نمائندوں اور دنیاوی نمائندوں کی تفریق نہیں (طلوع اسلام) [۲] نور الانوار صلاح [۳] تلویح ص۔۔۔
[۴] الموافقات ج ۴ ص ۱۰۴ [۵] لیکن قرآن میں اس کا اصولی حکم تو موجود ہوگا ورنہ تکمیل دین کا دعویٰ باطل ہو جائے گا
جو مورکی بات قرآن بالکل خاموش ہو ان کی حیثیت دینی نہیں ہوتی (طلوع اسلام)

ذلك فاما ان يترك فيها مع اهوائهم او ينظر فيها بغير اجتهاد شرعي وهو ايضا اتباع للهوى وذلك كله فساد[۳]

ایسی حالت میں اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ من مانی کارروائی کریں یا اجتہاد شرعی کے بجائے محض اٹکل کے تیر چلائیں تو یہ سب خواہشات کی اتباع اور فساد کا موجب ہے۔

جن لوگوں کا مسلک ہے کہ ائمہ پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اب قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے فقہاء نے ان پر اس طرح ملامت کی ہے :-

وهذا كله هوس من هوسا تهم لم يأتوا بدليل ولا يعبأ بكلامهم وانما هم من الذين حكم الحديث انهم افتوا بغير علم فضلوا واضلوا[۱]

[یہ سب باتیں خواہشات نفسانی سے تعلق رکھتی ہیں ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ایسی لغو باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے یہ حضرات تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں حدیث نبوی ہے کہ وہ بغیر جانے بوجھے فتویٰ دیتے ہیں جن سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔]

رہے وہ لوگ جو اجتہاد کے پُرزور حامی ہیں اور اس کے لئے مقررہ شرطوں اور صلاحیتوں کو نہیں سمجھتے ہیں وہ بالعموم وہی ہیں جن کے دل سے قدامت کی قدر و قیمت نکل چکی ہے اور ماضی کی وہ عظیم الشان روایتیں جن پر قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے ان کی نظر میں فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ بن چکی ہیں[۲] یہ اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریباً ہر چیز باہر سے برآمد کی گئی ہو، یہاں ان لوگوں کے طریق کار و انداز فکر سے بحث نہیں ہے۔

کہنا صرف اس قدر ہے کہ مذہبی لوگوں میں اجتہاد کے سلسلہ میں اب تک جو رد و قدح چلتی رہی ہے اب اس کا زمانہ ختم ہونا چاہیئے ایک حد تک صاحب صلاحیت افراد ہر دور میں موجود ہوتے ہیں، انہیں کام کی ضرورت کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا اس کے مواقع نہیں میسر آتے ہیں جس کی بنا پر اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتی ہیں۔

بہرحال مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے اجتہاد کا بند دروازہ کھولے بغیر چارہ نہیں ہے فقہاء نے اجتہاد کے لئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں، کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے، کام کر کے دکھایا ہے، اجتہاد کے لئے جس قسم کی صلاحیت درکار ہے اس کی نہایت تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

---

[۱] شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم ص ۶۲۴

[۲] ماضی کی ہر وہ چیز جو قرآن کریم کے احکام اور روح کے خلاف ہے فرسودہ اور چھوڑ دینے کے قابل ہے۔

موجودہ حالات و ضروریات کے پیشِ نظر اجتہاد کے لئے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں ہے بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے کہ علماء کی ایک صاحبِ صلاحیت مجلس زیرِ بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کرکے باہمی تعاون کے ذریعہ ان کا حل تلاش کرے۔ ؎

اس مجلس کو اپنے پیمانہ پر اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی فقہی اصطلاح کے مطابق مجتہد منتسب نے جس طرح فرائض انجام دیئے تھے ویسے ہی یہ مجلس انجام دے گی۔

مثلاً اخذ و استفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی، نہ تو بالکلیہ آزاد و خود رائے ہوگی اور نہ وقتِ ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل و بصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات و مقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض قول کو بعض پر ترجیح دے گی۔

اگر کسی مسئلہ میں نصِ صریح یا تعلیلِ صحیح متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق و تلاش کرکے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلف اپنے آپ کو نہ سمجھے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے خواہ اطمینانِ قلبی حاصل ہو یا نہ ہو اور موجودہ حالات کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

اور اگر مسئلہ کی سابقہ دلیل موجود ہے لیکن اس سے قلب مطمئن نہیں ہے اور وہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اجتہادی ہے تو یہ مجلس خود اجتہاد کے ذریعہ مسئلہ کو مضبوط بنائے گی۔

ایسے ہی جب نئی صورتِ حال پیش آئے گی یا حالات و مقامات کی تبدیلی سے مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی تو یہ مجلس اس قسم کے فرائض بھی انجام دے گی۔

فقہ کی کتابوں میں ائمہ اور ان کے شاگردوں کے مختلف اقوال میں مذکورہ صورت کی بہت سی مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ یہ مجلس اجتہاد کے طریقہ میں آزاد نہ ہوگی بلکہ وہی طرزِ عمل اختیار کرے گی جس کی نظیریں اور مثالیں موجود ہیں مثلاً پہلے زیرِ بحث مسئلہ کی روح اور مقصد سمجھنے کی کوشش کرے گی پھر اس پر غور کرے گی کہ شارع کے پیشِ نظر اس کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہے پھر یہ دیکھے گی کہ اس کو مزاج اور ذہنیت کی تبدیلی میں کتنا دخل ہے نیز معاشرتی حالات اور سماجی زندگی کس حد تک اس کی روح اور اصل کردار کو جذب و انگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

؎ اور اس کا نفاذ ملت کی مرکزی اتھارٹی کے ذریعے ہو۔ اس کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت ہے۔ (طلوع اسلام)

ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد حل طلب مسئلہ کو اس کے مناسب باب سے متعلق کریگی اور نظائر تلاش کرے گی پھر اس کی روح اور مقصد کو سامنے رکھ کر مقررہ قاعدہ کے مطابق بالترتیب قرآن و سنت اجماع و قیاس[1] سے اس کا تعلق جوڑے گی۔ بعض صورتیں ایسی ہوں گی جن کا حل آسان ہوگا، صرف اصول و کلیات اور ضرورت و مصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی اور ایسی حالت میں اختلاف ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطہ سے انحراف جائز نہ ہوگا ورنہ شریعت ہوا و ہوس اور سہل پسندی کا "بازیچہ" بن کر رہ جائے گی۔

مجلس کو درج ذیل قسم کے کام انجام دینے ہوں گے

(۱) مسلم پرسنل لا کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بنا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۲) پرسنل لا پر عمل درآمد کے لئے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالہ کی تدبیروں پر غور و فکر کرکے عملی قدم اٹھانا۔

(۳) ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار جنہوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار و عذاب جان بنا دیا ہے اور ان کے ازالہ کے لئے شرعی، اخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔

(۴) نئے پرسنل لا کی تدوین اور اس کو منظور کرانے کی کوشش کرنا

(۵) پرسنل لا کو نافذ کرنے کے لئے شرعی حاکم کے تقرر کے لئے جدو جہد۔

(۶) جدید مسائل کی فہرست مرتب کرکے ترتیب وار ان کو حل کرنا۔

اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف فوری طور پر اجتماعی قدم نہ اٹھایا گیا تو مذہبی طبقہ مذہب سے مایوس ہو جائے گا اور یا پھر اپنے کو مذہب کی خود ساختہ تعبیر کے حوالہ کرنے پر مجبور ہوگا۔

رہبران ملت - آخر میں اتنی اور گذارش ہے کہ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیئے تھا لیکن افسوس ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر اب تک نہ ہو سکا، یہ غالباً آخری وقت ہے، اگر اب بھی کام میں وہی وجوہ حائل بنے رہے تو قوم و ملت کا اتنا عظیم خسارہ ہوگا کہ اس کی تلافی کی کوئی امکانی صورت نظر نہیں آتی ہے اور قیامت کے دن جب ہم سے باز پرس ہوگی تو ہماری ساری خوش فہمیاں بے نتیجہ اظہار معذرت میں تبدیل ہو جائیں گی، اور کوئی بات بنائے نہ بن سکے گی! و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] پرسنل اور پبلک لاز کی تفریق ہی غیر اسلامی ہے۔ لیکن ہندوستان میں رہنے ہوئے امین صاحب اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ (طلوع اسلام)

رفیع اللہ خاں

مسئلہ طلاق پر ملوکیت کا اثر

ہمارے ہاں یہ عام رواج ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہہ دیا تو اس عورت پر طلاق پڑ گئی۔ اور طلاق بھی ایسی کہ اُسے واپس لینے کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی۔ بجز اس کے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے ایک رات کے لئے نکاح کرے اور وہ اُسے طلاق دیدے تو پھر یہ عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بظاہر نظر آئیگا کہ یہ محض جہلا کے ہاں کی رسم ہے۔ لیکن ایسا نہیں۔ یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے اور اسی کی رُو سے ایسا ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دورِ جاہلیت کی اس رسم پر مسلمانوں کی ملوکیت نے اپنے مصالح کی خاطر کس طرح مہرِ تصدیق ثبت کی۔ سطحی طور پر یوں سمجھا جائیگا کہ بھلا ملوکیت کو طلاق سے کیا واسطہ! اور اس کے ساتھ اُس کے کونسے مفاد وابستہ ہو سکتے ہیں لیکن مقالہ میں جو بات اجاگر کی گئی ہے وہ بڑی دلچسپ بھی ہے اور اہم بھی، اور اسی کے پیشِ نظر ہم نے اس مقالہ کی اشاعت مناسب سمجھی ہے۔

مقالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ تین طلاق کا مطلب یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو اس کے حیض سے فارغ ہو لینے کے بعد کہہ دے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد جب ایک مہینہ گذر جائے تو دوسری بار پھر اس بات کا اعلان کرے۔ اور اس کے بعد جب پھر ایک مہینہ گذر جائے تو تیسری مرتبہ طلاق کا اعلان کرے۔ اس سے بیوی پر طلاق وارد ہو جائے گی اور ان کا باہمی نکاح نہیں ہو سکے گا۔ تاوقتیکہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے اس سے طلاق نہ لے لے۔ واضح رہے کہ ہم نے اوپر جو ایک ایک مہینے کا وقفہ گنایا ہے۔ تو اس سے مراد ایک حیض سے دوسرے حیض تک کی مدت ہے جو بالعموم ایک مہینہ

ہوتی ہے۔ قرآن نے مہینہ کی بجائے حیض ہی کا ذکر کیا ہے)

لیکن ہمارے نزدیک قرآن کی رو سے تین طلاق سے مقصد کچھ اور ہے۔ طلاق کے معنی ہیں عقد نکاح سے آزاد ہو جانا۔ اگر ایک میاں بیوی اپنی ازدواجی زندگی میں پہلی مرتبہ عقد نکاح سے آزاد ہو جائیں تو یہ پہلی مرتبہ کی طلاق ہو گی۔ اس کے بعد انہیں اجازت ہو گی کہ وہ آپس میں نکاح کر کے دوبارہ میاں بیوی کی زندگی بسر کرنے لگ جائیں۔ اس کے بعد اگر پھر اسی طرح عقد نکاح سے آزاد ہو گئے تو یہ دوسری مرتبہ کی طلاق ہو گی۔ اس کے بعد بھی ان کے لئے میاں بیوی بن کر رہنے کی گنجائش ہو گی۔ لیکن اگر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہو گیا تو پھر یہ گنجائش نہیں رہیگی۔ ہاں اگر وہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے اور ان میں قاعدے کی رو سے طلاق ہو جائے تو پھر یہ عورت اپنے سابقہ خاوند سے دوبارہ شادی کر سکے گی۔ ہم نے یہ بات محض بغرض وضاحت بیان کی ہے ورنہ جہاں تک اس نکتہ کا تعلق ہے جو مقالہ میں بیان کیا گیا ہے اس پر اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا۔ طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہہ دینے سے میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کا اس طرح منقطع ہو جانا کہ وہ حلالہ جیسی غیرت سوز حرکت کے بغیر ان تعلقات کو استوار ہی نہ کر سکیں، تلاعب بالدین ہے۔ اور یہی اس مقالہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس اضافہ کیساتھ کہ ملوکیت نے اس پر کیا اثر ڈالا۔ (طلوع اسلام)

ملوکیت نے اگرچہ بہت سے اسلامی مسائل پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ لیکن مسئلہ طلاق ان سب مسائل سے زیادہ اثر پذیر ہوا۔ یہ ملوکیت ہی کی کارستانیاں ہیں کہ آج بھی طلاق بدعت کو جو بالاجماع گناہ اور معصیت ہے طلاق دینے کا "واحد اسلامی طریقہ" سمجھا جاتا ہے عام طور پر دل کی تسلی کے لئے اس غیر اسلامی رواج کو عوام کی جہالت کا کرشمہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن آگے چل کر قارئین کو معلوم ہو گا کہ اس میں جہالت کا اتنا دخل نہیں ہے جتنا ملوکیت اور سیاست کا ہے۔ چونکہ یہ پہلو عوام کی نظروں سے اوجھل ہے اس لئے ہم آئندہ سطور میں اسے اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

طلاق دورِ رسالت میں

اس باسعادت دور میں ہر مسئلہ ہر قسم کے اثرات سے پاک اور اپنی اصلی حالت پر تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا رواج بہت کم تھا اور جب بھی اس کی ضرورت پیش آتی تھی تو اس پر قرآن مجید اور فرمان نبوی کے مطابق عمل ہوتا تھا طلاق سے متعلق قرآنی حکم یہ ہے :۔

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق ۱)

جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لئے دو (یعنی طہر کی حالت میں) اور عدت کو شمار کرتے رہو۔

"عدت" کی جو تفسیر خود حضور صلعم نے فرمائی ہے اس کی تفصیل ہمیں حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ طلاق میں ملتی ہے۔ روایات میں یہ واقعہ اس طرح آیا ہے:-

"اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ۔ فَذَكَرَ ذٰلِكَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صلعم فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ اَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا اَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

(نیل الاوطار الطبعۃ الثالثۃ جلد ششم ص۲۳۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلعم سے کیا۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور فوراً رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اگر طلاق دینی ہے تو رجوع کے بعد حالت طہر اور اس کے بعد پھر حیض آنے کا انتظار کرے اور اس حیض کے بعد کی حالت طہر جس میں مواصلت نہ کی گئی ہو طلاق دی جائے۔ یہ ہے اس عدت کی تفسیر جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

چنانچہ طلاق سنت کا طریقہ یہ ہے کہ یہ ایسی حالت طہر میں دی جائے جس میں بیوی سے مواصلت نہ کی گئی ہو اور پھر عدت گزرنے دی جائے۔ عدت کے دوران رجوع کا اختیار ہے اور عدت گزرنے کے بعد بغیر حلالہ کے دونوں کی رضامندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ یہ طلاق دینے کا احسن طریقہ ہے اور اگر اسے مغلظ[1] کرنا ہوتا۔ تو ہر طہر بعد وطی میں ایک ایک طلاق دی جاتی۔ اور تین طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ طلاق ثلاثہ بیک مجلس بھی طلاق رجعی کے حکم میں تھیں یعنی ان کے بعد رجوع ہوسکتا تھا۔ حضرت رکانہ بن عبدیزید کے متعلق مسند احمد اور مسند ابویعلیٰ میں یہ روایت ملتی ہے:- "اَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا فَسَاَلَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا قَالَ ثَلَاثًا۔ قَالَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ۔ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا اِنْ شِئْتَ فَرَجَعَهَا۔ اخرجہ احمد.....(نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۴۲)

"حضرت رکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو بیک مجلس تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن انہیں اس پر سخت

---

[1] ایسی طلاق جس کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا۔

افسوس ہوا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ طلاق کس طرح دی گئی جواب دیا کہ تین طلاقیں۔ پوچھا ایک ہی مجلس میں۔ عرض کیا "ہاں" تو آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ ایک ہوئی۔ پس اگر چاہو تو رجوع کرلو۔ چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا۔" اس حدیث شریف سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ تین طلاقیں اگر ایک ہی مجلس میں دی جائیں تو وہ تینوں ایک طلاق ہی کے حکم میں ہیں۔ ان کے بعد رجوع بھی ہوسکتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح بھی۔ ہاں اگر یہ تین طلاقیں مختلف طہروں میں دی جائیں تو پھر طلاق مغلظہ ہوجائے گی یعنی اس کے بعد رجوع کا اعتبار باقی نہیں رہے گا۔

ایسی طلاق کو رجعی قرار دینے کے باوجود حضور صلعم سخت ناپسند فرماتے تھے۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے :-

انَّ رجلاً طلّقَ فی عہد رسول اللہ صلعم امراتہٗ ثلثاً فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالَ اَیلعبُ بکتاب اللہ وانا بینَ اظہرکم۔

"ایک شخص نے عہد نبوی میں اپنی بیوی کو بیک مجلس تین طلاقیں دیں تو حضور صلعم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔"

طلاق دورِ صحابہؓ میں

عہد نبوی اور خلافت صدیقی میں طلاق کے اسی طریقہ پر عمل ہوتا تھا۔ تاہم زمانہ جاہلیت کی اس رسم کا مکمل طور پر خاتمہ نہ ہوسکا۔ اور بعض لوگ بیک مجلس تین طلاقیں دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ اس ناپسندیدہ طرز عمل کو ختم کرکے لوگوں طلاق سنی کا عادی بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ فرمان جاری کردیا کہ آئندہ اس قسم کی طلاق مغلظہ کے حکم میں ہوگی یعنی اس کے بعد رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

عَنْ ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ۔ فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیہم فامضاہ علیہم رواہ احمد ومسلم۔　　(زاد المعاد جلد ششم صفحہ ۲۲۲)

"حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ عہد نبوی، خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس معاملے میں لوگوں کے لئے آسانی تھی انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ کیوں نہ ہم یہ ان پر نافذ کردیں۔ پس آپ نے ان پر نافذ کردیا۔"

اب جب لوگ اپنی جلد بازیوں کی وجہ سے مشکلات میں پھنسنے لگے تو انہوں نے اس سے

خلاصی کے لئے حلالہ کی پناہ لی۔ اس حیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مطلقہ بیوی کا نکاح کسی سکھائے پڑھائے آدمی سے کردیا۔ پھر اس سے طلاق دلوا کر دوبارہ خود شادی کرلی۔ جب حضرت عمرؓ کو اس مکروہ صورت کا علم ہوا تو آپ نے یہ اعلان فرما دیا کہ:۔
لَا اُوْتٰی بِمُحَلِّلٍ وَالْمُحَلَّلِ لَہٗ اِلَّا رَجَمْتُھُمَا۔ کہ میں حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائیگا دونوں کو سنگسار کرونگا۔

آپ نے یہ حکم اس لئے دیا کہ خود رسول اللہ صلعم نے ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیا تھا۔
ترمذی شریف میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے :۔
اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ۔ رسول اللہ صلعم نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو ملعون قرار دیا۔

ایک دفعہ پھر اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم صرف جواز کی حد تک محدود تھا۔ ان کے نزدیک بھی طلاق دینے کا سنت طریقہ صرف وہی ایک تھا جس پر دور رسالت اور عہد صدیقی میں عمل ہوتا تھا۔ اس حکم کو جواز کی حد تک محدود سمجھنا اور بات ہے لیکن اس کو طلاق کا واحد اسلامی طریقہ سمجھنا کھلی ہوئی معصیت ہے۔

تاہم کچھ صحابہؓ اور تابعین نے تو اسے جواز کی حد تک بھی تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔
وذھبت طائفۃٌ من اھل العلم الی ان الطلاق لا یتبع الطلاق بل یقع واحدۃٌ فقط وقد حکی ذلک صاحب البحر عن ابی موسی وروایۃٌ عن علی علیہ السلام وابن عباس وطاؤس وعطاء وجابر بن زید والھادی والقاسم والباقر والناصر واحمد بن عیسی الخ۔ اھل علم کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ صاحب البحر نے ابوموسیٰ سے اور ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے اور حضرت ابن عباس، طاؤس، جابر بن زید، امام الھادی علیہ، امام القاسم علیہ، امام الباقر، امام الناصر علیہ اور احمد بن عیسیٰ سے روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۴۵) اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۹ پر بھی کم و بیش انہی حضرات کے نام ملتے ہیں۔

روایات میں آیا ہے۔ کہ آخر عمر میں حضرت عمرؓ نے جب محسوس کیا کہ جس مقصد کے لئے انہوں نے یہ حکم دیا تھا اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ نے اپنے فیصلہ پر اظہار ندامت کیا۔ قال الحافظ ابوبکر الاسماعیلی فی مسند عمر اخبرنا ابو یعلی حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ

قَالَ قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیئٍ ندامتی علی ثلثۃ ان لا اکون حرمت الطلاق ۔۔۔۔ الخ (اغاثۃ اللھفان لابن قیم صفحہ ۱۸)

اوپر کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں پر سخت ندامت ہوئی جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے طلاق کو حرام قرار دے دیا (یعنی طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو مغلظہ قرار دیا)

طلاق ائمہ مجتہدین کے دور میں

ائمہ مجتہدین کے نزدیک طلاق کی دو قسمیں ہیں ایک سنت اور دوسری طلاق بدعت، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

قد عرفت ان الطلاق ینقسم الی سنی و بدعی، فاما السنی فھو ما کان فی زمن معین وکان بعدد معین والبدعی بخلافہ کان مثلاً اذا طلقھا وھی حائض او نفساء او طلقھا ثلاثاً کان ذلک طلاقاً بدعیاً۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جزء ۴ صفحہ ۲۹۷)

"جیسا کہ بیان ہو چکا ہے طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طلاق سنت اور دوسری طلاق بدعت۔ طلاق سُنی یہ ہے کہ مقررہ وقت (حالت طہر) میں مقررہ تعداد میں دی جائے۔ اور جو اس کے خلاف ہو وہ طلاق بدعت ہے۔ جیسے حیض یا نفاس کی حالت میں طلاق دینا یا بیک مجلس تین طلاقیں دینا" طلاق بدعت کی اگر دونوں صورتیں جمع ہوں گی یعنی حیض یا نفاس میں بیک مجلس تین طلاقیں دے دینا تو اس کا مرتکب دوگنا گنہگار ہوگا۔

الا انہ طلق ثلاثاً فی حال الحیض کان اثماً مرتین مرۃ بالطلاق فی حال الحیض ومرۃ بالطلاق الثلاث ۔ اگر حالت حیض میں بیک وقت تین طلاقیں دیگا تو دوہرا گنہگار ہوگا ایک گناہ حالت حیض میں طلاق دینے سے اور دوسرا بیک مجلس تین طلاقیں دینے سے" (ایضاً صفحہ ۳۰۱)

آجکل کے علماء کو بھی اس کے بدعت اور گناہ ہونے سے انکار نہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں " تین طلاق بیک وقت دینا قرآن وسنت کی رو سے گناہ اور ایک مکروہ عمل ہے جس تک پہنچنا منشاء قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے کہ طلاق دینے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ دو مرتبہ تک دی جاسکتی ہے (الطلاق مرتان) اس کے بعد تیسری طلاق کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کہ اگر کسی شخص نے جائز طریقہ سے تجاوز کر کے تیسری طلاق دے ہی دی تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر ان کا آپس میں تجدید

نکاح بھی نہ ہو۔ (عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ صفحہ ۲۳)

طلاق پر ملوکیت کا اثر

اوپر کی تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو موثر قرار دینے میں ائمہ مجتہدین کا مقصد بھی وہی تھا جو حضرت عمرؓ کا تھا یعنی یہ کہ طلاق بدعت کا خاتمہ ہو اور طلاق سنت کا رواج۔ لیکن ملوکیت نے اپنی طرف سے اس سے فائدہ اٹھایا۔

بیعت اور طلاق

عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں جن لوگوں سے بیعت لی جاتی تھی۔ وہ شریف اور صادق ہوتے تھے۔ وہ جس چیز کا ایک دفعہ عہد کر لیتے تھے اس کے لئے تن من دھن قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن دوسرے عہد زیادہ تر جس میں جب ملوکیت کا دور دورہ ہوا تو بیعت پر صرف اسی صورت میں اعتماد کیا جاتا تھا جبکہ اس سے عورتوں کے مطلقہ ہونے اور غلاموں کے آزاد ہونے کا حلف لیا جاتا۔ چنانچہ ایک معاہدہ میں جو دوسری صدی میں کہا گیا ہے یہ الفاظ مذکور ہیں۔

" اگر تم نے اس میں کسی چیز کو بدلا یا معاہدہ شکنی کی، یا اس چیز کی مخالفت کی جس کا تم کو امیرالمومنین نے حکم دیا اور اس کتاب میں تم کو اس کا پابند بنایا، تو تم خدا، رسول اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری سے بری ہو گئے اور تم میں سے آج ہر شخص کے پاس جو مال ہے یا پچاس سال تک وہ اس سے فائدہ اٹھائیگا وہ مسکینوں پر صدقہ ہے اور تم میں سے ہر ایک کے لئے پچاس سال تک مکہ کے بیعت الحرام کی طرف بطور نذر واجب کے چلنا ہوگا۔ خدا صرف اس کے پورے کرنے کو قبول کریگا۔ اور تمہارا ہر غلام یا تم میں سے ہر شخص پچاس سال تک جس غلام کا مالک ہوگا وہ آزاد ہے اور اس کی ہر عورت کو تین طلاقیں قطعی طور پر پڑ جائے گی۔ اس میں کسی قسم کا استثنا نہیں ہے"

(تاریخ التشریع الاسلامی مترجم عبدالسلام ندوی صفحہ ۲۷۶)

اسی قسم کے ایک دوسرے معاہدے کے یہ الفاظ ہیں۔

" اگر میں نے تبدیلی پیدا کی تو خدا سے، اس کی ولایت سے، اس کے دین سے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوگیا اور قیامت کے دن خدا سے کافر مشرک ہو کر ملوں گا اور آج میرے پاس جو عورت ہے یا تیس سال میں جس سے نکاح کروں گا اس کو تین قطعی طلاقیں ہو جائیں گی۔ (ایضاً)

ان معاہدوں پر عمل صرف اسی وقت ممکن تھا جبکہ طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو مغلظہ سمجھا جائے ورنہ معاہدہ کی کوئی وقعت نہ ہوتی اس لئے ان لوگوں نے یہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی کہ طلاق ثلاثہ بیک

مجلس کو ہی طلاق دینے کا واحد طریقہ سمجھا جائے "تاکہ جن لوگوں سے بیعت لی گئی ہے اگر ان کو کسی اور چیز کا خوف نہ ہو تو کم از کم بیوی کے جدا ہونے کے خوف سے بیعت توڑنے سے باز رہیں۔

اکثر ائمہ مجتہدین نے ان حضرات کی اغراض کی تائید سے انکار کر دیا۔ امام مالکؒ بن انس اور اہل حجاز نے اس قول کے ساتھ کہ مجبور کردہ شخص پر قسم نہیں ہے ان کی مخالفت کی۔

جبری طلاق

اسی میں سے ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوا اور وہ ہے جبری طلاق کا مسئلہ چونکہ بعض حالات میں بیعت جبراً لی جاتی تھی، اس لئے جبری طلاق کے مسئلہ سے اس کی مشابہت پیدا ہوئی۔ حضرت امام مالکؒ جبری طلاق کے بھی مخالف تھے چنانچہ اکثر کتب تاریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ امام مالکؒ ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔ اور فتنہ اٹھانے والوں نے اس حدیث سے ابو جعفر منصور کی بیعت کے باطل ہونے پر دلیل حاصل کی۔ یہ بات محمد بن عبداللہ بن حسن النفس الزکیہ کے خروج کے وقت مدینہ میں پھیل گئی اور منصور نے امام صاحب کو منع کیا کہ وہ جبری طلاق والی حدیث بیان نہ کریں۔ پھر ایک جاسوس کو بھیجا جو آپ سے سوال کرے۔ آپ نے اس سے یہ حدیث تمام لوگوں کے سامنے بیان کی۔ لہٰذا حاکم مدینہ نے کوڑوں کی سزا دی (تاریخ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۸۴ بحوالہ امام مالک تالیف محمد ابو زہرہ صفحہ ۴۸۔)

دوسرے ائمہ نے بھی ملوکیت کی ان اغراض کی مختلف صورتوں میں مخالفت کی اکثر حضرات نے طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو کسی صورت میں بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

وافتیٰ داؤد بن علی و اکثر اصحابہ و بعض اصحاب مالک و بعض اصحاب الحنفیۃ و بعض اصحاب احمد بالفاظ واحدۃ ۔۔۔۔ ان الانتاء بلفظ مغلظۃ توجب التحلیل والتحلیل ھو تدلعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المحلل والمحلل لہ حتی قال ابن خطاب لا اوتی بمحلل والمحلل لہ الا رجمتھما۔

(اعلام الموقعین از علامہ ابن قیم ج ۳ صفحہ ۲۴ تا ۳۲)

داؤد بن علی اور اس کے اکثر شاگرد رفقاء، اور بعض مالکی فقہاء اور بعض حنفی فقہاء اور بعض حنبلی فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ کیونکہ اس کے مغلظہ قرار دینے سے حلالہ لازم آتا ہے جسے رسول اللہ صلعم نے ملعون قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ ایسے شخص کو سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے تھے۔

ایک روایت میں تو یہاں تک منقول ہے کہ خود امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول ہے۔ چنانچہ مازری نے

کتاب معلم میں بیان کیا ہے کہ امام محمد بن مقاتل (جو حنفی مذہب کے پیشوا اور فقہا رمتقدمین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ کی ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہے۔ ہمارے بوحنیفہ کا قول یہ ہے حضرت امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے۔

(بحوالہ نکاح محمدی از مولوی محمد بن ابراہیم صفحہ ۶۲)

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ایک فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض شافعیہ کا بھی یہی مسلک تھا۔

(فتاویٰ مولانا عبدالحی مسئلہ نمبر ۲۷۴)

لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی اور جن کا مفاد طلاق ثلاثہ کے مؤثر ہونے کے ساتھ وابستہ تھا وہ ان ائمہ مجتہدین کے ان اقوال کو پردہ اخفاء میں رکھنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئے اور عوام ان حضرات کے ناموں تک سے ناآشنا ہیں۔

طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو ایک اور چیز نے پختہ کر دیا اور وہ ہے حلالہ کا جواز۔

اذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه لقوله عليه السلام لعن الله المحلل والمحلل له وهذا هو محمل فان طلقها بعد وطيها حلت للاول لوجود الدخول في نكاح صحيح (ہدایہ اولین مجیدی ص۳۷۹)

"حلالہ کی شرط پر نکاح مکروہ ہے کیونکہ حضور صلعم نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں پر لعنت کی ہے" تاہم ایسے نکاح کے بعد دخول کرنے کے بعد اگر طلاق دے دی گئی تو وہ مطلقہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی کیونکہ یہ دخول نکاح صحیح میں ہوا ہے"

عمرؓ نے جہاں جبراً طلاق سنت کو رواج دینے کے لئے طلاق ثلاثہ بیک مجلس کے مؤثر ہونے کا حکم دیا تھا تو ساتھ ہی حلالہ کا راستہ بھی سختی سے بند کر دیا تھا۔ اور اس کے مرتکب کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی، لیکن جب حلالہ کا راستہ بھی کھل گیا تو پھر طلاق ثلاثہ کے مروج ہونے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ گئی۔

اہل تشیع کا مسلک

تاہم جن حضرات کو ملوکیت سے کوئی سروکار نہ تھا یا وہ ملوکیت کے معتوب تھے، انہوں نے طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو کسی صورت میں تسلیم نہ کیا۔ بلکہ اس کے مفاسد کے پیش نظر اسے ختم کرنے کی سعی کی۔ اس مقصد کے لئے وہ طاقت اور حکومت کے استعمال کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے تھے۔

وعن ابی جعفر محمد بن علی (ع) انہ قال لا یقضو بالناس علی الطلاق الا السنۃ ولو ولیتھم لردد تھم الی کتاب اللہ عزوجل۔

(دعائم الاسلام از قاضی نعمان بن محمد صفحہ ۲۵۶)

"حضرت ابوجعفر محمد بن علی (ع) سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ صرف طاقت کے استعمال سے ہی لوگوں کو طلاق سنت کا پابند کیا جا سکتا ہے اگر ہمیں اقتدار حاصل ہو گیا تو ہم انہیں کتاب اللہ کے (اس) حکم کا پابند کر دیں گے"

وعن جعفر بن محمد (ع) انہ قال لو ولیت امر الناس لعلمتھم الطلاق ثم لا اوتی باحد خالفہ الا اوجعتہ ضرباً "حضرت جعفر بن محمد (ع) سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر ہمیں اختیار حکومت مل گیا تو لوگوں کو طلاق سنت کا طریقہ سکھا دیں گے اور پھر جو اس کی مخالفت کریگا اس کو سخت سزا دیں گے" (ایضاً)

حضرت ابوجعفر (ع) سے ایک اور روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں

ومن طلق بغیر السنۃ رددتہ الی کتاب اللہ وان رغم انفہ ولو ملکت من امر الناس شیئاً لاقمتھم بالسیف والسوط حتی یطلقوا للعدۃ کما امر اللہ۔

(ایضاً صفحہ ۲۶۰)

"سنت کے خلاف طریقہ پر طلاق دینے والے کو کتاب اللہ کا پابند کر دیا جاتا چاہیے وہ اسے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرتا۔ اور اگر ہمیں اختیار حکومت مل گیا تو ہم زبردستی حکومت کے حکم سے عدت کے لئے طلاق دلواتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے"

لیکن ملوکیت نے ان ائمہ کی بھی کچھ پیش نہ چلنے دی۔ اس لئے طلاق بدعت مکمل طور پر مروج پا گئی۔ اور کوئی شخص بھی تین سے کم طلاق ہی نہیں سمجھتا تھا۔ معلوم نہیں کونسا فسون پھونکا گیا کہ مصلحین کی کوششوں کے باوجود لوگ ابھی تک طلاق بدعت ہی کو طلاق کا اسلامی طریقہ سمجھتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں :-

"آجکل عام جہالت کی وجہ سے ہر طلاق دینے والا تین ہی طلاق دیتا ہے اور عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ تین سے کم میں طلاق مکمل ہی نہیں ہوتی عدالتوں کے عرائض نویس بھی جب ان کو طلاقنامہ لکھنے کو کہا جاوے تو تین ہی طلاق لکھتے ہیں"

(عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ صفحہ ۲۳)

تاہم اس کے مفاسد کے پیش نظر ہر دور میں مصلحین امت اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے اور اصلاح کی سعی میں لگے رہے۔ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی کوششوں کا اثر دیرپا ثابت ہوا۔ ان کے خیالات کی حامی جماعتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اس سلسلے میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس کا نتیجہ بھی ہوا۔ اور انکا جبکہ تقلید کے سخت ادوار میں دوسرے فقہی مذاہب والوں نے بھی اس کے مطابق فتاویٰ دیئے۔ برصغیر ہند و پاک کے جید علماء نے بھی اس سلسلے میں حنفی مذہب کی مخالفت میں فتویٰ دینے سے گریز نہ کیا۔ مولانا عبدالحی کے ایک فتاویٰ میں لکھا ہے "ایسی طلاق اگر موجب ہو بہت سی دشواریوں کا تو کسی شافعی عالم سے فتویٰ لے کر رجوع کر لیا جائے انتہی ملخصاً۔

(فتاویٰ عبدالحی مسئلہ نمبر ۳۷۴)

مدرسہ امینیہ دہلی کے مفتی بھی اس قسم کے فتاویٰ دیا کرتے تھے (طلاق محمدی صفحہ ۸۱)

انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مصر میں یہ قانون نافذ ہو گیا کہ ایسی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوا کریں گی۔ ہر مسلک کے علماء نے اس کی تائید کی۔ جماعت اہل حدیث نے تو اس پر خوشی کے شادیانے بجائے، اور اسے اپنی فتح قرار دیا۔ اور اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مصر میں ایک جماعت اہل حدیث کی کھڑی ہو گئی ہے جنہوں نے اپنی ایک انجمن بنام "انصار السنۃ المحمدیۃ" بنائی ہے۔ اور وہ احادیث کے مسائل کی اشاعت میں منہمک و مشغول ہے اس کے اکابر علماء کرام نے آپ[1] کے ان تنگ مسائل کے خلاف حدیث و قرآن بیان کرکے آج وہاں عمل بالسنت کی لہر دوڑا دی ہے۔ یہاں تک کہ مصری حکومت نے ۱۹۲۹ء میں قانون نمبر ۲۵ جاری کر دیا ہے جس کے مادہ ثالثہ کے الفاظ یہ ہیں "الطلاق المقرون بعدد لفظاً او اشارۃً لا یقع الا واحدۃ" جس کا مقصد بالفاظ احمد محمد شاکر یہ ہے الغاء وصف الطلاق بالعدد واعتبارہ طلقۃ واحدۃ" یعنی دو اور تین جو ایک ساتھ دی گئی ہوں ان کا عدد لغو ہے ایسی تین طلاقیں سرکاری طور پر ایک شمار ہوا کریں گی۔ بس جس طرح مصر کے علمائے حنفیہ نے مل جل کر اس ظالمانہ اور جابرانہ اور مخالف حدیث مسئلہ کو اپنے ہاں سے اٹھا دیا ہے۔ وقت آرہا ہے کہ ہمارا ملک بھی اس سے ہاتھ جھاڑ دے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

کھنچے جائیں گے پھر لے خالق گلشن کب تک خشک پتوں کا سنوں نالہ و شیون کب تک

(نکاح محمدی از مولوی محمد بن ابراہیم میمن جوناگڑھی صفحہ ۲۱ - ۲۲)

---

[1] حنفیہ سے خطاب ہے۔

مصر میں جب یہی قانون نافذ ہوا تو خوشی کے شادیانے بجے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی گئی کہ ہمارے ہاں بھی اس کا نفاذ ہو لیکن جب یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا تو ایک دفعہ پھر سیاست نے اس بر پھر حملہ کیا۔ اور یہی اہلحدیث علماء اس کے نفاذ پر یہ اعتراض کرنے میں دوسرے علماء کے ساتھ شامل ہو گئے۔

"بلا شبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذاہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہوں تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے اور مطلقہ عورت سے اس کا سابقہ شوہر نہ تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گذر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے۔ جب تک کہ اس کی تحلیل[1] نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے ائمہ و فقہاء کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آجکل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔

(عائلی قوانین پر چودہ علماء کے اعتراضات صفحہ ۱۸)

ان چودہ علماء میں تین چار حضرات کا تعلق مسلک اہلحدیث سے ہے۔ حالانکہ جس چیز کو یہاں حنفی مذہب کے خلاف کہا جا رہا ہے وہ خود حنفی مذہب کے نزدیک طلاق دینے کا احسن طریقہ ہے اب اگر عامۃ الناس طلاق ثلاثہ بیک مجلس ہی کو طلاق دینے کا واحد اسلامی طریقہ سمجھنے لگیں تو اس میں انکی جہالت کا کہاں تک تعلق ہے؟۔ اور جس چیز کی یہ کارستانیاں ہیں اس سے کہاں تک چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔

شاید آپ نہیں جانتے

کہ "طلوعِ اسلام" پاکستان کے علاوہ بائیس غیر ممالک میں بھی پڑھا جاتا ہے اس میں شائع شدہ اشتہارات یورپ اور امریکہ کے قارئین کی نظروں سے بھی گذرتے ہیں اگر آپ اپنی مصنوعات وغیرہ کو بیرونی ممالک میں روشناس کرانا چاہتے تو طلوعِ اسلام میں ان کا اشتہار شائع کرایئے آج ہی ایک کارڈ لکھکر نرخ اشتہارات طلب فرمائیں۔ (ناظم ادارہ)

[1] عوام جسے حلالہ کے نام سے جانتے ہیں

مجلس اقبالؒ

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

زیرِ شرح مثنوی کا نام "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" ہے۔ زیرِ نظر باب کا بھی یہی عنوان ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علامہ نے اس باب میں یہ بتایا ہے کہ اقوامِ مشرق کو اپنی حالت سنوارنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ واضح رہے کہ یہ مثنوی ۳۶-۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ پہلے بند میں وہ لکھتے ہیں ۔

آدمیت زار نالید از فرنگ زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ

مغربی سیاست اور تہذیب کے ہاتھوں ساری دنیا بلبلا اٹھی ہے۔ ہر طرف اضطراب اور شورش برپا ہے۔ دنیا میں امن و سکون کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہا۔

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق باز روشن میشود ایامِ شرق

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں اقوامِ مشرق کو کیا کرنا چاہئے جس سے انہیں پھر وہی عروج حاصل ہو جائے جو انہیں پہلے کبھی حاصل تھا۔ اس سے عالمِ انسانیت، اقوامِ مغرب کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر لیں گی ۔

در ضمیرش انقلاب آمد پدید شب گذشت و آفتاب آمد پدید

قرائن بتا رہے ہیں کہ اقوامِ مشرق کے دل کی گہرائیوں میں انقلاب کروٹیں لے رہا ہے۔ ان کی تاریکی کی راتیں ختم ہونے کو ہیں۔ اور ان کی اقبال مندی کی صبح پھر نمودار ہونے والی ہے ۔

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد

دوسری طرف یورپ کی یہ حالت ہے کہ اس نے اپنی لادین سیاست و معاشرت کا جو خنجر تیار کیا تھا اس کے ہاتھوں وہ خود ہی ذبح ہو گیا ہے۔ مغربی تہذیب کی بنیاد اس نظریئے پر تھی کہ سیاست کو اخلاق کے اصولوں اور مستقل اقدار کی پابندیوں سے آزاد ہونا چاہیئے۔ زندگی انسان کی طبیعی زندگی ہے۔ اور اس زندگی کی آسائش کے لئے جس طریق سے سازوسامان حاصل ہو جائے اُسے بلا توقف اختیار کر لینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اخلاقیات سے یوں بے نیاز ہو جائے تو اس کی تباہی خود اپنے ہاتھوں سے آجاتی ہے

گرگ اندر پوستین برّہ ہر زماں اندر کمین برّہ

اس مکاری پر مبنی سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ یورپ کی اقوام دنیا کی چھوٹی چھوٹی اور کمزور قوموں کو ہڑپ کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوئیں لیکن رہزنوں اور قزاقوں کی شکل میں نہیں بلکہ نہایت مشفق اور غمخوار دوستوں کے لباس میں۔

مشکلاتِ حضرتِ انسان از وست آدمیت را غمِ پنہاں از وست

ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر انسانیت طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہے اور کسی قلب کو سکون حاصل نہیں۔ ان تمام مشکلات کا سرچشمہ یورپ کا یہ نظریۂ زندگی ہے کہ

در نگاہش آدمی آب و گل است کاروانِ زندگی بے منزل است

زندگی یہی مادی زندگی ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ اور موت سے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب زندگی کا نظریہ یہ ٹھہرے تو پھر جائز و ناجائز کی کیا تمیز اور خیر و شر کا کیا امتیاز۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔

اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے حضرت علامہ لکھتے ہیں کہ

ہر چہ مے بینی ز انوارِ حق است حکمتِ اشیاء ز اسرارِ حق است

یہ کائنات بالمقصد پیدا کی گئی ہے۔ انسان آب و گل ہی کا پیکر نہیں۔ اس میں ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ انسان اور کائنات، مشیت کے عظیم پروگرام کے مطابق ایک منزل کی طرف رواں دواں بڑھے جا رہے ہیں

ہر کہ آیات خدا بیند حر است اصل ایں حکمت ز حکمِ اُنظُر است

کائنات کے ذرے ذرے میں ہزار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ قرآن نے تاکید کی ہے کہ اشیائے

کائنات کا پورا پورا علم حاصل کیا جائے۔ اسی علم سے اس کا وہ راستہ روشن ہو جائے گا۔ جو انسان کو اس کی منزل مقصود کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں اشیائے کائنات کو آیات اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

بندۂ مومن از و بہروز تر ہم بحالِ دیگراں دل سوز تر

اسی علم الاشیاء سے مومن کو عروج و اقبال حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس علم کو وہ مظلوموں اور کمزوروں کو لوٹنے کھسوٹنے کا ذریعہ نہیں بناتا۔ بلکہ وہ اس سے ان کے زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔

علم چوں روشن کند آب و گلش از خدا ترسندہ تر گردد دلش

اس علم سے اس کے دل میں ابلیسانہ سرکشی نہیں پیدا ہوتی۔ بلکہ وہ قوانینِ خداوندی کے سامنے اور عجز و انکساری سے جھک جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان قوانین سے سرتابی کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

علم اشیاء خاک ما را کیمیا ست آہ! در افرنگ تاثیرش جدا ست

مادی کائنات کا علم ہماری زندگی میں انسانیت کے بلند مقام پر لے جاتا ہے لیکن یورپ میں یہی علم کچھ اور نتائج پیدا کرتا ہے۔

عقل و فکرش بے عیارِ خوب و زشت چشم او بے نم دل او سنگ و خشت

یہ اس لئے کہ یورپ کے پاس خیر اور شر، حق اور باطل، جائز اور ناجائز کے پرکھنے کے لئے کوئی خارجی اور غیر متبدل معیار نہیں۔ جائز وہ جس سے اپنے مفاد حاصل ہوتے ہوں۔ خواہ اس سے دوسروں کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ نہ دوسروں کی مصیبت ان کی آنکھ میں نمی پیدا کرتی ہے نہ مظلوموں کا غم ان کے دل میں گداز۔

علم از و رسوا تر اندر شہر و دشت جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت

وہی علم کہ جس کا مقام کائنات میں بہت بلند ہے ان کے اس نظریۂ زندگی کی وجہ سے ذلیل اور رسوا ہو چکا ہے۔ یوں کہئے کہ ان کی صحبت میں رہ کر جبرئیل ابلیس بن گیا ہے۔

دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش در ہلاک نوعِ انساں سخت کوش

یہ علم جسے نوع انسانی کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے تھا۔ یورپ نے اسے نوع انسانی کی ہلاکت کے لئے صرف میں لانا شروع کر دیا۔

با خساں اندر جہانِ خیر و شر در نسازد مستیٔ علم و ہنر

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کی سیرت نیک اور کردار بلند نہ ہو تو علم و ہنر میں ترقی اُسے کبھی راس نہیں آتی۔ اس سے دنیا بھی مصیبت میں پھنس جاتی ہے اور وہ خود بھی مشکلات میں الجھ جاتا ہے۔

آہ از افرنگ و از آئینِ او — آہ از اندیشۂ لا دینِ او
علمِ حق را ساحری آموختند — ساحری نے کافری آموختند

یورپ نے دین کو سیاست سے الگ کرکے دنیا میں چنگیزیت کی طرح ڈال دی۔ وہ علم الاشیاء کے ذریعے کمزور قوموں پر گویا جادو کر دیتے ہیں۔ یعنی علم جو انسان کو قوانین خداوندی کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے ان کے ہاں ان قوانین سے سرکشی اور بغاوت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہر طرف صد فتنہ می آرد نفیر — تیغ را از پنجۂ رہزن بگیر

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فتنہ و فساد چاروں طرف سے ہجوم کرکے آجاتا ہے۔ یوں سمجھئے یہ علم نہیں بلکہ ایک ڈاکو کے ہاتھ میں خنجر ہوتا ہے ....
.... انسانیت اسی صورت میں امن میں رہ سکتی ہے کہ اس ڈاکو کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا جائے

اے کہ جاں را باز می دانی زتن — سحرِ ایں تہذیب لا دینی شکن

وہ اقوام مشرق سے کہتے ہیں کہ تمہارا نظریہ زندگی مغرب سے مختلف ہے۔ تم انسانی زندگی کو صرف طبیعی جسم تک محدود نہیں سمجھتے۔ انسانی ذات کو اس کے جسم سے الگ تشخص تسلیم کرتے ہو۔ اسی سے تم میں اور مغربی فکر میں ایک بنیادی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ تم اس پوزیشن میں ہو کہ تہذیب مغرب کے اس طلسم کو توڑ ڈالو۔

روحِ شرق اندر تنش باید دمید — تا بگردد قفلِ معنی را کلید

ضرورت اس کی ہے کہ مغرب کے پیکر میں مشرق کی روح پھونک دی جائے تاکہ اس سے رموز انسانیت کے وہ تالے کھل جائیں جو اس وقت تک بند پڑے ہیں۔

چونکہ مشرق تمام مذاہب کا سرچشمہ اور گہوارہ رہا ہے اس لئے علامہ اقبالؒ مغرب کے مقابلے میں مشرق کو لائے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ مشرق میں دین کا صحیح تصور قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں لہٰذا اس لئے یورپ کے لادینی پیکر میں قرآن کے ذریعے ہی صحیح زندگی کی روح پھونکی جا سکتی ہے۔

عقل اندر حکمِ دل یزدانی است
چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

انسانی عقل اگر وحی خداوندی کے تابع ہے تو یہ خدا کی نعمت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے وحی کے تابع

نہ رکی جائے تو یہ سب سے بڑا ابلیسی حربہ بن جاتی ہے۔

زندگانی ہر زماں در کشمکش عبرت آموز است احوال حبش

۱۹۳۵ء کا ذکر ہے کہ اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی کے سر میں نشہ قوت نے سودا پیدا کر دیا۔ اور اس نے حبش کی کمزور سلطنت پر خواہ مخواہ یورش کر کے اسے اٹلی کی سلطنت کا ایک حصہ بنا لیا۔ حبش کا بادشاہ اور اس کے باشندے بہتیرا واویلا کرتے رہے لیکن کوئی ان کی فریاد کو نہ پہنچا۔ یورپ کے مختلف ممالک بھی یہ تماشہ دیکھتے رہے اور لیگ آف نیشنز (جسکا صدر مقام جنیوا تھا) منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھی رہی۔ علامہ اقبال نے اس واقعہ کو بطور نظیر پیش کر کے مشرق کی کمزور قوموں سے کہا ہے کہ اگر تم نے اپنے اندر قوت پیدا نہ کی تو جو حشر اٹلی کے ہاتھوں حبش کا ہوا ہے وہی انجام تمہارا ہوگا۔ اس لئے کہ

شرع یورپ بے نزاع قیل و قال بزہ را کرد است بر گرگاں حلال

یورپ کے شارحین شریعت نے یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ بکری کے بچے کا خون بھیڑیے کے لئے جائز اور حلال ہے۔

نقش نو اندر جہاں باید نہاد از کفن دزداں چہ امید کشاد

ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف کے لئے ایک نئی طرح ڈالی جائے۔ ان کفن چوروں سے بہتری کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ علامہ اقبال نے لیگ آف نیشنز کے متعلق بہت پہلے کہا تھا کہ

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

مثنوی کے مندرجہ بالا شعر میں انہی کفن چوروں کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اگلے شعر میں ان الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن صید تو ایں میش و آں نخچیر من

لیگ آف نیشنز میں اس کے سوا کیا ہوتا ہے کہ طاقتور قومیں باہمی فیصلہ کر لیتی ہیں کہ فلاں کمزور ملک کو تم ہڑپ کر جاؤ اور فلاں قوم کو میں ہضم کئے لیتا ہوں۔

نکتہ ہا کو می نہ گنجد در سخن
یک جہاں آشوب و یک گیتی فتن

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ مغرب کی تہذیب، ان کے آئین و قوانین متحدہ اقوام عالم دنیا کی تمام مصیبتوں کا سرچشمہ اور فتنہ فساد کی جڑ ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ شو　　　مومنِ خود کافرِ افرنگ شو

وہ اقوام مشرق سے کہتے ہیں کہ تم نے مغربی تہذیب و تمدن کا جو اثر لے رکھا ہے اسے جھٹک کر الگ کردو۔ انہیں برملا کہہ دو کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہیں۔ اس کے بعد اپنے نظریۂ زندگی کی بنیادوں پر تہذیب کی نئی عمارت استوار کرو (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس میں خطاب اگرچہ اقوام مشرق سے ہے لیکن مقصود اس سے امت مسلمہ ہی ہے)۔ وہ اس امت سے کہتے ہیں۔

رشتۂ سود و زیاں در دست تست　　　آبروئے خاوراں در دست تست

اے اقوام کے نفع و نقصان کا فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ مشرق کی عزت اور آبرو تمہارے ہاتھ میں ہے۔

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند　　　رایت صدق و صفا را کن بلند

ان قدیم اقوام کو جو اس وقت بری طرح سے منتشر ہو رہی ہیں ایک مرکز کے تابع جمع کرو لیکن ظلم و استبداد کے لئے مکروفن سے نہیں بلکہ عدل و احسان کے لئے صداقت اور دیانت کے ساتھ۔ لیکن اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ تم میں اتنی قوت ہو کہ اپنے اس آئین صداقت کو دنیا سے منوا سکو اس لئے کہ

اہلِ حق را زندگی از قوت است　　　قوتِ ہر ملت از جمعیت است

محض حق کے نظریے کا مدعی ہونا کافی نہیں۔ اس نظریہ کے حاملین اگر دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے قوت کی ضرورت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قوت کا راز قوم کے اتحاد۔ یک جہتی اور مرکزیت میں پنہاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت علامہؒ ایک ایسا بنیادی اصول بیان کرتے ہیں جس میں زندگی کا راز پنہاں ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں

عقل کی بات کتنی اچھی کیوں نہ ہو۔ اُسے منوانے کے لئے قوت کی ضرورت ہے۔ اگر اس کے پیچھے قوت نہیں تو وہ یا تو مکر و فریب کی شکل اختیار کرلیگی یا محض افسانہ بن کر رہ جائے گی۔ دوسری طرف اگر کسی قوم کے پاس خالی قوت ہو اور وہ دانش و بینش سے عاری ہو تو وہ وحشت و بربریت کا مجسمہ بن جائے گی۔ زندگی اور سلامتی کے لئے قوت اور عقل کا امتزاج ناگزیر ہے ——— لیکن عقل وہی جو وحی کے تابع چلے۔

اس کے بعد حضرت علامہ نے ایشیا کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ ہم اسے پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ دنیا کے مختلف مذاہب کا گہوارہ ایشیا ہی رہا ہے۔ اس لئے علامہ اقبالؒ اسے مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے یورپ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

سوز و ساز و درد و داغ از آسیاست　　　ہم شراب و ہم ایاغ از آسیاست

یورپ کے میکانکی انداز زیست کے مقابلے میں ایشیا بلند انسانی جذبات کی سرزمین ہے۔ اس نے نہ صرف دنیا کو جذبات دیے ہیں بلکہ اظہار جذبات کے لئے نئے نئے اصول و انداز بھی وضع کئے ہیں۔

عشق را ما دلبری آموختیم　　　شیوۂ آدم گری آموختیم

ہم ہی نے عشق کو دلکشی اور جاذبیت کے انداز سکھائے ہیں۔ بلکہ اُسے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ کس طرح پست سطح سے بلند ہو کر انسانیت سازی کا فریضہ اور کر سکتا ہے۔

ہم ہنر ہم دیں ز خاکِ خاور است　　　رشکِ گردوں خاکِ پاکِ خاور است

سرزمین ایشیا مختلف ادیان ہی کا سرچشمہ نہیں رہی بلکہ علم و ہنر کے چشمے بھی یہیں سے پھوٹے ہیں۔ اس سرزمین کی مٹی کا مرتبہ بڑا بلند ہے۔

وا نمودیم آنچہ بود اندر حجاب　　　آفتاب از ما و مارا آفتاب

ہم نے ان تمام حقائق کو جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے واشگاف انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اس سرزمین کو آفتاب سے خاص نسبت ہے۔ اسی لئے تو اسے خاور یا خاوران کہتے ہیں۔ (خاور کے معنی آفتاب ہیں)

ہر صدف را گوہر از نیسانِ ماست　　　شوکتِ ہر بحر از طوفانِ ماست

دنیا میں جہاں کہیں علم و ہنر نظر آئیگا اس کا سرچشمہ ایشیا ہی ہوگا۔ جہاں کہیں زندگی کی نمود اور اس میں حرکت و حرارت نظر آئیگی وہ کسی نہ کسی رنگ میں سرزمین ایشیا ہی کی رہین منت ہوگی۔

روحِ خود در سوزِ بلبل دیدہ ایم　　　خونِ آدم در رگِ گل دیدہ ایم

ہماری نگاہ ذرت بین نے محسوسات کے پیکروں کے اندر معنوی وحدت کو پالیا۔ ہمارے ہاں کا فلسفہ مظاہر سے آگے حقیقت تک پہنچ گیا اور اس طرح ہم نے اس راز کو پالیا کہ

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

ہم نے اشیائے کائنات کا علم ہی حاصل نہیں کیا بلکہ

فکرِ ما جویائے اسرارِ وجود　　　زد نخستیں زخمہ بر تارِ وجود

ہمارا فلسفہ " وجود " کے رموز و اسرار معلوم کرنے کے لئے کوشاں رہا۔ اور اس میں ہم ہی نے پہل کی۔ " وجود " سے مراد خود ذات باری تعالیٰ بھی ہو سکتی ہے، اور خود انسانی ذات بھی۔

داشتیم اندر میان سینہ داغ   بر سرِ راہے نہادیم ایں چراغ

ہم نے فکر کی گہرائیوں میں ڈوب کر ایسے دیئے جلائے کہ ان سے انسانیت کی راہیں روشن ہو گئیں۔

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں   آں یدِ بیضا برار از آستیں

اقوام ایشیا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تم دین اور تہذیب کہن کی امین ہو لیکن تم نے اس تابناک چراغ کو تہ آستیں چھپا رکھا ہے۔ اسے دنیا کے سامنے لاؤ۔ تاکہ تمہیں اقوام عالم کی امامت حاصل ہو جائے

خیزو از کارِ اُمم بکشا گرہ   نشۂ افرنگ را از سر بنہ

اٹھو اور دنیا جن مشکلات میں گھری ہوئی ہے ان کے حل کرنے کا مداوا سوچو۔ اس کے لئے سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ انسانوں کے سر میں تہذیب مغرب کا جو سودا سمار ہا ہے اُسے دور کرو۔

نقشے از جمعیت خاور فگن

واستاں خود را ز دستِ اہرمن

اٹھو اور تمام اقوام ایشیا کو ایک مرکز پر جمع کرو۔ اور اس طرح اپنے آپ کو یورپ کے ابلیسی پھندے سے آزاد کراؤ۔

دانی از افرنگ و از کار فرنگ   تا کجا در قیدِ زنّار فرنگ

تم اہل مغرب سے اچھی طرح واقف ہو اور ان کے ہتھکنڈوں سے باخبر۔ اس کے بعد تم کب تک ان کے دام فریب میں گرفتار رہو گے۔

زخم از و نشتر از و سوزن از و   ما و جوئے خون و امید رفو

یورپ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر کمزور قوم کے سینے میں خنجر گھونپتا ہے لیکن ہماری سادہ لوحی ملاحظہ ہو کہ ہم اسی سے اپنے زخموں کا اندمال کرتے ہیں۔

خود بدانی پادشاہی قاہری ست   قاہری در عصرِ ما سوداگری ست

تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہت غلبہ و تسلط ہی کا دوسرا نام ہے اور ہمارے زمانے میں غلبہ و تسلط تجارت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ جو قوم اقتصادی طور پر محکوم ہوتی ہے وہ سیاسی طور پر بھی محکوم ہوتی ہے۔

تختۂ دکاں شریکِ تخت و تاج   از تجارت نفع، از شاہی خراج

آج سیاست عالم کی یہ کیفیت ہے کہ حکومت کی باگ ڈور بڑے سے بڑے صنعت کاروں اور کاروباری لوگوں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ بادشاہ تو رعایا سے ٹیکس وصول کرتا ہے اور یہ سوداگر کاروباری منافع کی شکل میں اس سے کہیں زیادہ وصول کرتا ہے۔

آں جہانبانے کہ ہم سوداگر است　　بر زبانش خیر و اندر دل شر است

جو قوم حکومت کے ساتھ تجارت بھی کرتی ہے اس کا انداز یہ ہوتا ہے کہ دکاندار کی طرح زبان میٹھی لیکن دل کھوٹ سے بھرا ہوا۔

گر تو میدانی حسابش را درست　　از حریرش نرم تر کرپاس تست

اگر تمہیں کہیں یہ پتہ چل جائے کہ وہ اس تجارت کے چکر میں تمہاری کس قدر دولت اپنے ملک میں سمیٹ کیے جاتے ہیں تو پھر تمہیں اس کا احساس ہو کہ تمہارے ہاں کا روئی کا بنا ہوا کپڑا ان کے ہاں کے ریشم سے کہیں بہتر ہے۔

بے نیاز از کارگاہِ او گذر　　در زمستاں پوستینِ او مخر

تم ان کے کارخانوں سے بے نیاز ہو جاؤ۔ سردی برداشت کرو لیکن ان کے ہاں کا بنا ہوا گرم کپڑا مت خریدو۔

کشتنِ بے حرب و ضرب آئینِ اوست　　مرگہا در گردشِ ماشینِ اوست

تجارت وہ حربہ ہے کہ جس سے ایک قطرہ خون بہائے بغیر قوموں کو تباہ کر دیا جا سکتا ہے یوں سمجھو کہ ان کے کارخانوں کی مشینوں کے پہیوں کے ساتھ موت لپٹی ہوئی ہے۔

بوریائے خود بقالینش مدہ　　بیذقِ خود را بہ فرزینش مدہ

تم ان کے ہاں کے قالین پر اپنے ہاں کے بوریا کو ترجیح دو۔ بساطِ سیاست پر اپنے ہاں کے چھوٹے سے چھوٹے مہرے کو ان کے بڑے سے بڑے مہرے سے زیادہ وزنی شمار کرو۔

گوہرش تف دار در لعلش رگ است　　مشکِ ایں سوداگر از نافِ سگ است

مغرب کی تجارت چھوٹے نگوں کی مینا کاری ہے۔ ان کے ہر مال میں عیب اور ہر سودے میں کھوٹ ہے۔ جسے وہ مشک کہہ کر پیش کرتے ہیں وہ نافۂ آہو سے حاصل کردہ نہیں ہوتی بلکہ کتے کی ناف سے تیار کردہ ہوتی ہے۔

رہزنِ چشمِ تو خوابِ مخملش　　رہزنِ تو رنگ و آبِ مخملش

ان کے ہاں کی مخمل کا بستر بظاہر بڑا نرم و نازک دکھائی دیتا ہے لیکن چند دنوں کے بعد معلوم ہوگا

کراس سے تمہاری راتوں کی نیند حرام ہوجائے گی۔ اس لئے کہ وہ سب کچھ لوٹ کرلے جائے گا اور تم سخت پریشان حال رہ جاؤ گے۔

صد گرہ افگندۂ در کارِ خویش　　　از قماشش او مکن دستارِ خویش

تم نے اپنے آپ کو ان کی چیزوں کا محتاج بنا کر اپنے راستے میں ہزاروں کانٹے بو لئے ہیں۔ ان کا بائیکاٹ کردو۔ ان کی ململ کتنی ہی نرم و نازک کیوں نہ ہو اس سے اپنی دستار مت بناؤ۔

ہوشمندے از خم او مے نخورد　　　ہر کہ خورد اندر ہمیں میخانہ مرد

کوئی صاحب ہوش میخانۂ مغرب سے شراب کا جام نہیں لیتا۔ جس نے وہ شراب پی لی وہ شراب خانے کے اندر ہی مر گیا۔

وقتِ سودا خند خند و کم خروش　　　ما چو طفلانیم او شکر فروش

یہ ہوشیار تاجر سودا کرتے وقت بہت ہنس ہنس کر باتیں کرتا ہے اور کبھی غصے میں نہیں آتا۔ یوں سمجھو کہ یہ میٹھی گولیاں بیچنے والا ہے اور ہم سب بچے اس کے خوانچے کے گرد کھڑے ہیں

محرم از قلب و نگاہِ مشتری است　　　یارب ایں سحر است یا سوداگری است

وہ خریدار کی نگاہوں کو پہچانتا ہے اور اس کے دل میں مچلنے والی آرزوؤں تک سے واقف ہے۔ یہ تجارت نہیں۔ کھلا ہوا جادو ہے جس سے ہر ایک ان کے فریب میں آجاتا ہے۔

تاجرانِ رنگ و بو بردند سود　　　ما خریداراں ہمہ کور و کبود

یہ تاجر بیشتر سامان آرائش و زیبائش (سرخی پاؤڈر وغیرہ) لاتے ہیں اور ہم عقل کے اندھوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سب کچھ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

آنچہ از خاکِ تو رُست اے مردِ حر　　　آں فروش و آں بپوش و آں بخور

جو کچھ تمہاری زمین سے پیدا ہوتا ہے تمہیں وہی کھانا اور پہننا چاہئے۔

آں نکو بیناں کہ خود را دیدہ اند　　　خود گلیم خویش را بافیدہ اند

جن قوموں کی نگاہیں خودشناس واقع ہوئی ہیں وہ اپنے ہاں خود کپڑا بن کر استعمال کرتی ہیں۔

اے ز کارِ عصرِ حاضر بے خبر　　　چرب دستی ہائے یورپ را نگر

قالی از ابریشمِ تو ساختند　　　باز او را پیشِ تو انداختند

تم ذرا یورپ کی چالاکیوں پر غور کرو۔ وہ تمہارے ہاں سے خام پیداوار ـــــ ریشم اور

کپاس وغیرہ ___ سستے داموں خرید کرلے جاتے ہیں۔ اور انہی سے مختلف چیزیں بنا کر پھر تمہارے ہاتھوں مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔

چشم تو از ظاہرش افسوں خورد
رنگ و آب او ترا از جا برد

ان کی کاریگری اتنی ہے کہ وہ ایسی چیزیں تیار کرتے ہیں جن کی چمک دمک سے تمہاری نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح تم پر انکا جادو چل جاتا ہے۔

وائے آں دریا کہ موجش کم تپید
گوہر خود را ز غواصاں خرید

کتنی بدقسمتی ہے اس قوم کی کہ جو خود اپنے ہاں کی چیزوں کو دوسروں کے ہاتھوں سے خریدے اور اس طرح اپنی قومی دولت کو ان کے ہاں منتقل کرتی چلی جائے۔

مفکرِ قرآن کی سالہاسال کی مسلسل کاوشِ فکر و بصیرت کا شاہکار

مفہوم القرآن

قرآنی حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کا یہ دل نشین اور بصیرت افروز سلسلہ پاکستان اور بیرونِ پاکستان کے علمی حلقوں میں برابر مرکزِ توجہ بنتا جا رہا ہے۔ خدا کی آخری کتاب کے عالم آرا پیغام کو سمجھنے کے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کیجئے۔

اسے ایک ایک پارہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

اور اب تک ۱۰ پارے شائع ہو چکے ہیں

پہلے دس پارے یکجا طور پر مجلد بھی ملتے ہیں۔

پہلا پارہ:- تین روپے

سستا ایڈیشن - ایک روپے

ہر دوسرا پارہ ۲ روپے فی پارہ

دس پارے مجلد ___ ۲۳ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ - لاہور

نقد و نظر

۲۔ افریقہ ــــ ایک چیلنج محترم احمد اللہ المسدوسی (حیدرآبادی ثم کراچوی)، کو فطرت نے جہاں روشن دماغ عطا فرمایا ہے وہاں ذوق تجسس سے بھی بہرہ وافر عنایت کیا ہے۔ وہ ایک موضوع کو لیتے ہیں پہلے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ پھر اس سے متعلق مواد حاصل کرنے کے لئے "تیشۂ فرہاد" لے کر مصروف کار ہو جاتے ہیں اور ہر کونے اور کھدرے سے کام کی چیزیں نکالتے جاتے ہیں۔ اور پھر اپنے پورے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ اسے پبلک کے سامنے لے آتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ــــ ان کی اس سے پہلے شائع شدہ کتابوں کی طرح ــــ ان کی اسی کاوش اور کاہش کی آئینہ دار ہے۔

افریقہ کو تاریک براعظم کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے صحیح حالات سے آج تک کسی نے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔ اب جو وہاں کے مختلف قبائل اور اقوام جو انگڑائیاں لے کر اٹھے ہیں تو اس سمت تاریکی کے یہ پردے یہاں وہاں سے سرکنے شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن جہاں تک افریقہ کی مسلمان آبادی کا تعلق ہے اس کے متعلق ابھی تک اطمینان بخش معلومات کہیں یکجا سامنے نہیں آئیں۔ مسدوسی صاحب نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ اور زیر نظر کتاب میں جو پانچسو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ان معلومات کو مرتب شکل

میں یکجا کر دیا ہے۔ ہماری نظر سے اس سے پہلے اس انداز کی کتاب نہیں گذری۔
بعض مقامات پر اسلام کے متعلق البتہ کچھ چیزیں ایسی آگئی ہیں جن سے ہمیں اختلاف ہے۔ مثلاً وہ اسیران جنگ کے متعلق، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی سند سے لکھتے ہیں کہ قانون شریعت سپہ سالار کے اختیار تمیزی پر اس امر کے تصفیے کو چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اسیران جنگ۔ ا۔ قتل کرے۔ ب۔ غلام بنائے۔ ج۔ فدیہ کی ادائیگی پر رہا کرے۔ د۔ مسلم قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کرے یا ھ۔ بطور احسان چھوڑ دے۔"
(ص ۱۳۳)

اسیران جنگ کے متعلق قرآن کریم نے بہ نص صریح فرمایا ہے فاما منا بعد و اما فداء (سورہ محمد) کہ انہیں یا تو فدیہ لے کر چھوڑنا ہو یا بطور احسان۔ فدیے میں زر فدیہ یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ دونوں آجاتے ہیں) قرآن نے صرف یہ دو شکلیں بیان کی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ جو قتل کرنے اور غلام بنانے کی شقوں کا اضافہ کیا گیا ہے، خدا کے حکم پر اس طرح کے اضافہ کا اختیار کس کو حاصل ہے؟ اس اضافہ کے معنی یہ ہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کا حکم ناقص تھا اور اس اضافے سے اسکی تکمیل کی گئی ہے سوچئے کہ اس سے قرآن کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ہمارا قدامت پرست طبقہ ایک ڈگر پر چلا جا رہا ہے۔ اور کبھی کھڑے ہو کر نہیں سوچتا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں، دین پر اس کا اثر کیا پڑ رہا ہے۔

تصوف کے متعلق مسعود وسی صاحب ابن خلدون کے حوالے سے لکھتے ہیں۔
"علم تصوف جدید علوم شرقیہ میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ طریق تصوف کو صحابہؓ تابعین اور سلف صالحین کے دور میں وقعت کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کو حق و ہدایت کا راستہ سمجھا گیا تصوف کے مقاصد اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادات الٰہیہ میں جان کھپائے۔ پوری طرح اللہ کا ہو جائے۔ اور دنیا اور دنیا کی لغویات و زخرفات سے بالکل منہ موڑ لے۔ اور دنیا دار جن چیزوں پر ٹوٹے پڑتے ہیں یعنی لذات دنیویہ اور مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے عبادت کیلئے عزلت نشینی و گوشہ نشینی پسند کرے وغیرہ وغیرہ صحابہ کرام و سلف عظام میں یہ خوبیاں عام تھیں۔" (ص ۱۹۳)۔
ہم محترم مصنف سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس تصوف کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ وہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کیا اس کا ثبوت کتاب و سنت اور آثار صحابہؓ میں کہیں بھی ملتا ہے اس کا ثبوت ملنا تو ایک طرف تصوف کا لفظ تک اس زمانے کے لٹریچر میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں "تصوف اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے"۔ دوسری بات ہم یہ پوچھنا چاہتے

ہیں کہ عزلت نشینی اور گوشہ نشینی کی جس تعلیم کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں یہ خوبیاں عام تھیں کیا یہ وہی مسلک رہبانیت نہیں ہے جس کی قرآن نے بہ نص صریح تردید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لوگوں کا خود ساختہ مسلک ہے۔ حیرت ہے کہ جو شخص افریقہ کے تاریک ترین گوشوں سے اس قسم کی معلومات نکال کر لاتا ہے، قرآن کریم کے روشن ترین دامن پہ بکھری ہوئی تابندہ تعلیم اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ تقلید میں ہوتا ہی یہ ہے۔

مسٹر دسی صاحب نے اپنی کتاب میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ عیسائیوں کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا دوست سمجھیں، "کیونکہ قرآن صاف اور صریح الفاظ میں بتاتا ہے کہ تمام دیگر مذاہب کے مقابلے میں عیسائی دوستی میں مسلمانوں سے قریب ہیں" اور "مسلمان عقیدۂ مغرب اور عیسائیت کا دشمن نہیں بلکہ دوست ہے۔" (صفحہ ۳۳) ہمیں افسوس ہے کہ اس میں قرآن کی تعلیم کو مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ یہ ضرور آیا ہے کہ یہودیوں کے مقابلے میں نصاریٰ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں اور اس نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان میں راہب اور گوشہ نشین قسم کے لوگ ہیں جن میں تکبر کی بجائے انکساری زیادہ ہے۔ (سورہ مائدہ۔ آیت ۸۲)۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرب کے اس زمانے کے ان فقیر منش عیسائی رہبان کا ذکر کیا گیا ہے جو تکبر اور سرکشی اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن صاف اور صریح الفاظ میں بتلاتا ہے کہ تمام دیگر مذاہب کے مقابلے میں عیسائی دوستی میں مسلمانوں سے قریب ہیں، نہ صرف یہ کہ اسلام کے خلاف بہت بڑی تہمت ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تکذیب عیسائیوں کی پوری تاریخ کر رہی ہے۔ قرآن نے جو کچھ بہ نص صریح کہا ہے وہ یہ ہے

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصریٰ اولیآء بعضھم اولیاء بعض ط ومن یتولھم منکم فانہ منھم ط ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین (۵/۵۱)

اے ایمان والو! تم نے یہود اور نصاریٰ کو کبھی دوست نہ بنانا۔ یہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یاد رکھو جو کوئی تم میں سے انہیں دوست بنائے گا تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ خدا ظالم قوم کو کبھی ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔

کتاب سفید کاغذ پر لیتھو میں چھپی ہے۔

مجلد کی قیمت ۱۲/ روپے اور ملنے کا پتہ ہے۔

مکتبہ خدام ملت کراچی

۲- مقالاتِ اقبال | مرتبہ سید عبد الواحد معینی۔ شائع کردہ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور۔
ضخامت ۲۵۱ صفحات - قیمت مجلد چھ روپے

سید عبد الواحد صاحب یوں تو مرکزی حکومت پاکستان کے محکمہ جنگلات کے ریٹائرڈ افسر ہیں لیکن علامہ اقبالؒ کے ساتھ انہیں بڑی ہی عقیدت ہے۔ وہ حضرت علامہ کی کمیاب تحریروں کو بڑی محنت سے جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کے بعد استے سیقے سے شائع کرتے ہیں۔ زیرِ نظر تالیف علامہ اقبالؒ کے ان مقالات اور خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۵ء تک مختلف جرائد میں لکھے۔ نیز اس میں ان کی بعض کتابوں کے دیباچے بھی شامل ہیں۔ بعض ایسے جنہیں علامہ اقبالؒ نے خود ہی حذف کر دیا تھا۔ مثلاً مثنوی اسرار خودی کی اشاعت اول میں انکا جو دیباچہ شائع ہوا تھا اُسے اُنہوں نے اشاعت دوم میں خود ہی حذف کر دیا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اپنے جس کلام یا تحریر کو شاعر یا مصنف اپنی زندگی میں قلمزد کر دے اور اس کی اشاعت روک دے، اسے اس کی وفات کے بعد بھی شائع نہیں کرنا چاہیئے۔

ان مقالات وغیرہ سے علامہ اقبالؒ کا فکری ارتقاء اور اسلوب نگارش میں تبدیلیاں سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن ان کی اولیں تحریروں کو ان کے خیالات کی ترجمانی کے لئے بطور سند نہیں پیش کرنا چاہیئے کیونکہ ان میں اکثر باتیں ایسی ہیں جن کی انہوں نے بعد میں خود ہی اصلاح یا تردید کر دی تھی —— جامد پتھر ہوتا ہے۔ انسانی فکر میں ہر وقت ارتقاء کی گنجائش ہوتی ہے۔ امید ہے فکر اقبال سے دلچسپی رکھنے والے حلقہ میں معینی صاحب کی اس کاوش کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

۳- پاکستانی کلچر | اس کتاب کو ہم نے لپک کر اٹھایا۔ بڑے شوق سے پڑھا اور مایوسی کے ساتھ رکھ دیا۔ ذوق و شوق سے پڑھا اسلئے کہ "پاکستانی کلچر" کے الفاظ تشکیل پاکستان کے بعد سے اس وقت تک ہر گوشے سے سنائی دیتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ پاکستانی کلچر ہے کیا؟ اول تو یہی متعین نہیں ہو سکا کہ کلچر کہتے کسے ہیں اور پھر جب پاکستانی کلچر کا سوال سامنے آتا ہے، تو اس کے لئے مصوری، موسیقی، ڈرامہ، رقص وغیرہ کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب یہ سب چیزیں تو بعینہٖ وہی ہیں جنہیں بھارت اپنے کلچر کے طور پر پیش کرتا ہے تو پھر یہ حضرات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ ہم نے سمجھا تھا کہ زیرِ نظر کتاب میں یہ بتایا گیا ہوگا

کر پاکستانی کلچر ہے کیا۔ لیکن اس میں بھی الجھاؤ کے سوا کچھ اور نہ ملا۔ سب سے پہلے تو کلچر کی تعریف سنئے۔ لکھتے ہیں۔

"کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب و عقائد، علوم اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت، فنون و ہنر، رسم و رواج، افعال ارادی اور قانون، صرف اوقات، اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے متضاد و مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک و مماثلت، وحدت اور یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے۔ جن کے ذریعے انسان کو وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ کلچر میں زندگی کے مختلف مشاغل، ہنر اور علوم و فنون کو اعلیٰ درجے پر پہنچانا۔ بری چیزوں کی اصلاح کرنا۔ تنگ نظری اور تعصب کو دور کرنا۔ غیرت و خودداری ایثار و وفاداری پیدا کرنا۔ معاشرت میں حسن و لطافت۔ اخلاق میں تہذیب، عادات میں شائستگی، لب و لہجہ میں نرمی، اپنی چیزوں، روایات اور تحریر کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان کو بلندی پر لے جانا بھی شامل ہیں۔ (صفحہ ۴۹)"

سمجھ لیا آپ نے کہ کلچر کسے کہتے ہیں؟ اسکے بعد جب ہم تفصیل میں جاتے ہیں تو سب سے دلچسپ باب "مذہب اور کلچر" کے عنوان سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس میں جناب مصنف اپنی ذہنی اپج کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً سر سید کے متعلق ارشاد ہے کہ "جب وہ کہتے ہیں کہ اسلام ہی مسلمانوں کے دکھ درد کا مداوا ہے تو ان کا مقصد مروجہ اسلام نہیں ہوتا بلکہ وہ اسلام جسے ان کے نقطۂ نظر سے مغربی اقوام نے عربوں سے حاصل کیا اور پھر ترقی دے کر اتنا بلند کیا کہ خود مسلمان اُسے پہچاننے سے قاصر ہو گئے۔" (صفحہ ۱۶۸)

علامہ اقبالؒ کے متعلق ارشاد ہے کہ سر سید سے لے کر علامہ مشرقی تک جو کچھ اسلام کے نام پر پیش ہوتا رہا "علامہ اقبال ان تمام شاخوں سے رنگا رنگ پھول توڑ کر انکا ایک گلدستہ تیار کرتے ہیں۔" (صفحہ ۱۷۱)

یعنی علامہ اقبالؒ کی اپنی نہ تو کوئی فکر ہے۔ نہ اسلام کے متعلق کوئی مخصوص نظریہ۔ وہ اپنے پیشرووں کے خرمن سے گل چینی کرتے ہیں اور اس مرکب مجموعہ کو مسلمانوں کے سامنے اسلام کے نام سے پیش کر دیتے ہیں۔ ان کی اگر کوئی خصوصیت ہے تو وہ یہ کہ "وہ سر سید کی طرح اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تلوار کا زمانہ گیا اور مسلمان طاقت کے ذریعے مغربی اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" (صفحہ ۱۷۵)۔ یہ اس اقبالؒ کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ جو فلسفہ پیش کرتا رہا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بُنیاد

جس نے تلوار کی تعریف ان الفاظ میں پیش کی کہ

اس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں - پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
جو مسلسل اور پیہم یہ اعلان کرتا رہا کہ

مومناں را تیغ با قرآں بس است

جس نے قوم کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہا کہ

قوت بے رائے جہل است و جنوں
رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں

جنہوں نے قادیانی مسلک کی اس شدت سے مخالفت اس لئے بھی کی کہ ان کے ہاں جہاد کو منسوخ قرار دیدیا گیا تھا۔ اس اقبالؒ کے متعلق یہ تحقیقِ انیق پیش کی جارہی ہے کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ تلوار کا زمانہ چلا گیا۔

اس کے بعد ایک اور تحقیق سامنے آتی ہے۔ فرماتے ہیں " اقبال کے انتقال کے دو سال بعد اردو کا ایک رسالہ طلوعِ اسلام کے نام سے نکلا ۔۔۔۔ جس کے مدیر غلام احمد پرویز نام کے ایک صاحب تھے۔" حالانکہ طلوعِ اسلام علامہ اقبالؒ کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا اور پرویز صاحب اس کے مدیر کبھی بھی نہیں رہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ جب سرسیدؒ سے لیکر اقبالؒ تک ان کی ناوک افگنی کا شکار ہو گئے تو پرویز صاحب اس سے کس طرح بچ سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے متعلق بھی جو جی میں آیا لکھ دیا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں کہیں کوئی حوالہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ دوسری طرف مودودی صاحب کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے نزدیک " سرمایہ داری ظالمانہ نظام ہے "۔ حالانکہ مودودی صاحب سرمایہ داری نظام کے سب سے بڑے حامی ہیں اور اس کی حمایت میں " مسئلہ ملکیت زمین " جیسی تصنیف بھی شائع کر چکے ہیں۔ محمد حسن عسکری صاحب نے کتاب کے جیکٹ پر ٹھیک لکھا ہے کہ مصنف نے " مذہب اور کلچر کے تعلق اور خود مذہب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر دوبارہ غور کر لیتے تو بہتر ہوتا۔" ہم یہ بتانا بھول گئے کہ کتاب کے مصنف جمیل جالبی نام کے کوئی صاحب ہیں۔ مشتاق بکڈپو۔ کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔ طباعت، کتابت، جلد اچھی ہے اور قیمت فی جلد آٹھ روپے۔

۴۔ مسائلِ ازدواج

از محمد حسام الدین خاں غوری۔ شائع کردہ ۱۰، اللہ سب پاکستان۔ کراچی ضخامت ۱۶۰ صفحات۔ نیوز پرنٹ کی طباعت۔ قیمت دو روپے۔

اس کتاب میں پہلے نکاح۔ طلاق، خلع، مہر، رضاعت، وراثت کے متعلق شرعی احکام دیئے گئے ہیں۔

جو بیشتر فقہ پر مبنی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے نافذ کردہ عائلی قوانین شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ مصنف کی یہ کوشش اچھی ہے۔ لیکن جو قوانین ابھی قرآن کریم کے عین مطابق نہیں ان کی نشاندہی کردی جاتی تو بہتر تھا۔ اس لئے کہ جو قانون قرآن کے مطابق نہ ہو وہ شرعی قانون کیسے ہو سکتا ہے۔

۵۔ اسلامیت اور مغربیت

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش۔
سید ابوالحسن علی ندوی صاحب ہندوستان کے فی الجملہ روشن خیال علماء میں سے ہیں۔ اور ان کی تحریر میں بھی سلاست اور شگفتگی ہوتی ہے۔ انہوں نے "مغربی تہذیب کے بارے میں عالم اسلام کا رویہ" کے نام سے عربی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ ضروری اضافہ اور تفصیل کے ساتھ زیر تبصرہ کتاب کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ اسے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ نے عمدہ سلیقے سے شائع کیا ہے۔ مجلد کی قیمت پانچ روپے ہے اور ضخامت قریب ڈھائی سو صفحات۔ شروع میں ندوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو سائنس کے علوم سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ فطرت کی قوتوں کا مسخر کرنا اسلام کا عین تقاضا ہے۔ اس کے بعد تہذیب مغرب کی خرابیاں ایک ایک کرکے گنائی گئی ہیں، اور آخر میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ان کی ترقی کا راز اسلام کے ساتھ وابستگی ہی ہے۔ اسی سے وہ یورپ کو بھی اس تباہی سے بچا سکتے ہیں جس کی طرف وہ اس تیزی سے بڑھے جا رہا ہے۔

یہ وہی آواز ہے جو آج مسلم ممالک کے ہر گوشے سے سنائی دے رہی ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ وہ اسلام کونسا ہے جس کے ساتھ وابستگی کے نتائج ایسے درخشندہ ہونگے اور اس کے ساتھ اس وابستگی کا عملی طریقہ کیا ہے۔ جب تک ان امور کو واضح اور متعین طور پر سامنے نہ لایا جائے۔ اس قسم کے وعظ کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ سچ کہا تھا کہنے والے نے کہ

کچھ ہوش میں آنے کی مرے شکل بھی ناصح
یہ میں بھی سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے

پاکستان کے متعلق لکھا ہے کہ "اسے ایک نیا اسلامی معمل اور تجربہ گاہ بننا تھا لیکن عائلی قانون ۱۹۶۱ء نے یہ ثابت کردیا کہ پاکستان کے آئین ساز اور سربراہ مغربی افکار و اقدار سے نہ صرف پوری طرح متاثر ہیں بلکہ ان کو آئین سازی کے لئے فیصلہ کن بنیاد سمجھتے ہیں۔ اور شریعت کی کاملیت

اور ابدیت پہاں کو یقین نہیں۔ (صـــ۱۰۲)۔

اس سے ظاہر ہے کہ ندوی صاحب کس قسم کے اسلام کا فروغ چاہتے ہیں۔

میرؔ کیا سادہ ہیں جس نے انہیں بیمار کیا
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ندوی صاحب اپنی اس رائے کی تائید میں پروفیسر سمتھ کی رائے پیش کرتے ہیں۔ وہ سمتھ جو اسلام اور پاکستان کا بدترین دشمن اور عیسائیت کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔

جس طرح تاج محل آج بھی اسی طرح تروتازہ اور شگفتہ و شاداب ہے، جس طرح آج سے تین سو سال پہلے تھا۔ اسی طرح بعض کتابیں بھی زندہ رہنے والی ہوتی ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھتی جاتی ہے

محترم پرویز صاحب کی زندۂ جاوید تصانیف

سلیم کے نام خطوط

انسان نے کیا سوچا؟

اور

ہیں۔ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں ان کی مقبولیت بڑھتی جاتی ہے۔ ان کتابوں نے ہمارے نوجوان تعلیمیافتہ طبقہ کے قلب و نگاہ میں صحیح انقلاب پیدا کر دیا ہے — انسان نے کیا سوچا؟ قیمت ـ بارہ روپے۔ سلیم کے نام خطوط (تین خوبصورت جلدوں میں)۔ قیمت جلد اوّل ـ آٹھ روپے ـ جلد دوم:ـ چھ روپے ـ جلد سوم:ـ چھ روپے۔

ملنے کا پتہ ادارہ طلوعِ اسلام ـ ۲۵/بی ـ گلبرگ ـ لاہور

هَدَایَہ

ایک مختصر تنقیدی جائزہ

علامہ سفیان العجلی سابق مدیر الخطاب دمشق

ترجمہ: سید نصیر شاہ میانوالی

"پاکستان میں دستور سازی کا مرحلہ جب بھی سامنے آتا ہے علمائے کرام کی طرف سے دو عجیب و غریب مطالبات پیش کئے جاتے ہیں (ا) "پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق ہونا چاہیئے" (ب) ملک کا عام قانون فقہ حنفی کے مطابق ہونا چاہیئے کیونکہ پاکستان میں حنفیوں کی اکثریت ہے" یہ دو مطالبات ایک ہی سانس میں اس معصومیت اور بھولپن سے پیش کئے جاتے ہیں جیسے "سنت" اور "فقہ حنفی" دو بالکل مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اہل بصیرت کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں کہ کیا "سنت" اور "فقہ حنفی" واقعتاً ایک ہی چیز ہیں؛ ذیل کا مضمون فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" پہ ایک مختصر سی تنقید ہے۔ یہ مضمون حضرت علامہ سفیان العجلی کی مشہور کتاب "نقد الفقہ" کا ایک باب ہے جو کتاب مذکور کے تقریباً تیس صفحات (از صفحہ ۳۸۲ تا صفحہ ۴۱۱) پہ چھپا ہوا ہے۔ مضمون پڑھ کر آپ اندازہ لگائیں گے کہ مشرقِ وسطیٰ میں فکری بیداری پیدا ہو رہی ہے اور وہاں کے لوگ اسلاف کے چھوڑے ہوئے علمی سرمایہ پہ آنکھیں بند کرکے نہیں بیٹھ رہے۔ کتاب مذکور کے دیباچہ میں مصنف نے "مشرقِ وسطیٰ جاگ اٹھا ہے" کے ذیلی عنوان سے مفتی محمد عبدہٗ، طٰہٰ حسین، احمد امین،

قاسم امین بک اور السید احمد الحسینی کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان حضرات کی پیہم کوششوں سے " موت کے خراٹے لیتا ہوا مشرقِ اوسط زندگی کی انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھا ہے "

آپ اب ہدایہ پر مختصر تنقید ملاحظہ فرمایئے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ اسلاف کو متہم کرنا نہ تو مصنف کا مقصود ہے اور نہ ہی ان غلطیوں کو اچھالنے کے لئے میں ترجمہ کر رہا ہوں مصنف اور مترجم کا مقصد مقصد محض یہی ہے کہ مصنفینِ ہدایہ کی لغزشوں کی نشاندہی کر دی جائے۔ اور محض اس لئے کہ قارئین میں صحیح اور غلط کا امتیاز پیدا ہو جائے دگرنہ

ما بندۂ ہمت اسلافیم و آں سفلانیم　　　کہ خورم نمکے و باز نمکدان شکنم

مصنف نے دیباچہ میں اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ وہ فارسی اور عربی صرف ان دو زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں"

(سید نصیر شاہ)

[طلوع اسلام بھی اس تنقید کو اس لئے نہیں شائع کر رہا کہ اس سے ایک خاص فرقہ کی تنقیص اور دوسرے فرقہ کی تائید مقصود ہے۔ طلوع اسلام کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں اس لئے اس کی طرف سے کسی فرقہ کی تائید اور دوسرے کی تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس تنقید کی اشاعت سے ہمارا مقصد بھی یہ ظاہر کرنا ہے کہ

(۱) ہمارے ہاں جو کچھ اسلاف سے چلا آ رہا ہے وہ سب کا سب اس قابل نہیں کہ اسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ لینا چاہیئے اور جسے وہاں سے تائید ملے اسے صحیح سمجھنا چاہیئے۔

(۲) ہمارے اسلاف کی کتابوں میں جو کچھ درج ہے ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض کی باتیں بعد کا اضافہ ہوں اور ان کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہوں۔

(۳) کسی ملک کا قانون اگر کتاب و سنت کے مطابق مرتب ہوتا ہے تو اہل فقہ اور اہل حدیث حضرات نیز اہل فقہ کے مختلف مکاتب فکر میں اس اصولی بات پر ہی اختلاف ہو جائیگا کہ فلاں بات سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ مثلاً حدیث حضرات بخاری اور مسلم کی حدیث کو صحیح اور تنقید سے

بالا سمجھتے ہیں اور حنفی حضرات ان میں کم از کم دو سو احادیث سے اختلاف کرتے ہیں۔

(۴) قرآن کریم تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ کتاب ہے۔ اس لئے وہی قانون تمام مسلمانوں کے نزدیک یکساں طور پر قابل قبول ہو سکتا ہے جس کی بنیاد قرآن کریم پر ہو۔ یہی طلوع اسلام کی دعوت ہے۔

(۵) اور سب سے آخر یہ کہ آپ دیکھیں کہ ہماری ان کتابوں میں کس کس قسم کے مسائل درج ہیں۔ یہ یقیناً ان بزرگوں کے نہیں ہو سکتے جن کی طرف وہ منسوب ہیں۔ طلوع اسلام [۱]

ہدایہ حنفیوں کی نظر میں

فقہ حنفی پر تنقید کے سلسلہ میں ہم صرف ہدایہ پر اجمالی نظر ڈالیں گے کیونکہ یہی کتاب فقہ حنفی میں اصل الاصول کا مرتبہ رکھتی ہے۔ حنفیوں کے نزدیک اس کتاب کا مرتبہ جس قدر پر عظمت ہے اُس کا اندازہ آپ ذیل کے اشعار سے لگا سکتے ہیں۔

۱۔ كِتَابُ الْهِدَايَةِ يَهْدِي الْهُدٰى ۔ اِلٰى حَافِظِيْهِ وَ يَجْلُو الْعَمٰى
فَلَازِمْهُ وَاحْفَظْهُ يَا ذَا الْحِجٰى ۔ فَمَنْ نَالَهٗ نَالَ اَقْصَى الْمُنٰى

(مقدمہ ہدایہ ج ۳ صہ ۳)

(ہدایہ اپنے جاننے والوں کو ہدایت کو دکھاتی ہے اور اندھی آنکھوں کو بینا بنا دیتی ہے اے صاحب عقل و فہم اس کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلے بلکہ حفظ کرلے کیونکہ جس نے اسے پالیا اسکی تمام مرادیں برآئیں)

ایک اور شعر بھی اکثر معتقدین ہدایہ کی نوک زبان پر رہتا ہے۔

اِنَّ الْهِدَايَةَ كَالْقُرْاٰنِ قَدْ نَسَخَتْ ۔ مَا صَنَّفُوْا قَبْلَهَا فِي الشَّرْعِ مِنْ كُتُبٍ

(بیشک ہدایہ قرآن کی طرح ہے جس نے اپنے سے پہلے کی شریعت کی کتابوں کو منسوخ کردیا)

مصنف ہدایہ کا اجمالی تعارف

مصنف ہدایہ کا نام علی بن ابی بکر کنیت ابوالحسن اور لقب برہان الدین تھا ۵۱۱ھ بتاریخ ۸ رجب سوموار کے روز بعد از عصر پیدا ہوئے اور ۵۹۳ھ میں ۱۴ ذی الحجہ بروز منگل فوت ہوئے۔ مصنف نے ہدایہ کی تالیف ۵۷۳ھ کے ماہ ذیقعد میں بدھ کے روز ظہر کے وقت شروع کی اور تیرہ سال تک اس کی ترتیب میں مصروف رہے۔ خطبہ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ اصل میں ان کی کتاب بدایہ کی مطول شرح کفایہ کی تلخیص ہے۔ سب سے پہلے مصنف کے سامنے ان کی اس تصنیف

کو کر وری سنے پڑھا۔ بعد میں کتاب مذکور میں بعض تحریفات بھی ہوئیں لیکن وہ معمولی لفظی تحریفات ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ اس قسم کی تحریفات کی ایک مثال ہندوستان کے مشہور حنفی عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے سنئے فرماتے ہیں۔

ان صاحب الھدایہ اذا ذکر خاصہ تصرفہ یقول قال العبد الضعیف عفا عنہ الا ان بعض تلامذتہ بعد وفاتہ قدس سرہ غیر ھذہ العبارۃ الیٰ قال رضی اللہ عنہ۔ (مدارج النبوۃ)

مصنف ہدایہ جہاں کہیں خاص اپنا تصرف ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں قال العبد الضعیف (یعنی اس عاجز بندے کا قول ہے) مگر انکی وفات کے بعد ان کے بعض شاگردوں نے اس عبارت کو بدل دیا اور اس کی جگہ قال رضی اللہ عنہ لکھدیا۔

اس اجمالی تعارف کے بعد اب ہم اُن تسامحات کا ذکر کریں گے جو دوسرے آئمہ کے مذاہب بیان کرنے میں مصنف سے ہوئے ہیں۔ یہ لغزشیں بڑی نمایاں ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف مرحوم اس قدر محتاط نہیں ہیں جتنا انہیں ہونا چاہیئے۔

امام شافعیؒ کا مذہب بیان کرنے میں مصنف کی لغزشیں

باب الصلوٰۃ فی الکعبہ میں لکھتے ہیں

الصلوٰۃ فی الکعبۃ جائزۃ فرضھا و نفلھا خلافا للشافعی فیھما (ہدایہ ج ۱، صفحہ ۱۶۴)

یہ مصنف کی صریح غلطی ہے کیونکہ امام شافعیؒ کعبہ کے اندر فرض اور نفل نماز پڑھنے کو جائز لکھتے ہیں شافعی مذہب کی مشہور کتابوں سے اگر مصنف مرحوم استفادہ کرتے تو ایسی صریح غلطی کبھی ان سے صادر نہ ہوتی۔ وجیز اور خلاصہ میں صاف لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کعبہ کے اندر فرض و نفل نماز جائز سمجھتے تھے خود حنفی المذہب فقہا کو بھی مصنف کی غلطی کا اعتراف ہے صاحب نہایہ لکھتے ہیں۔

فان الشافعی یرا جواز الصلوٰۃ فیھا (نہایہ) حالانکہ امام شافعی تو کعبہ میں نماز جائز سمجھتے ہیں۔

فصل فی البیر میں مصنف مرحوم حنفی مذہب کا یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھونا چاہیئے چونکہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ اُسے سات مرتبہ دھونا چاہیئے اس لئے طنزاً کہتے ہیں کہ شافعیؒ کو دیکھو کتے کے پیشاب کئے ہوئے برتن کو تو تین مرتبہ دھونے سے پاک مانتے ہیں لیکن جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھونے

سے پاک نہیں سمجھتے۔ یہ بھی مصنف کی صریح غلط بیانی ہے امام شافعی کا مذہب یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں برتن سات مرتبہ دھونا چاہیئے۔ چنانچہ جہاں مصنف نے طنزاً یہ الفاظ لکھے ہیں۔

مایحیبه بوله یطهر بالتثلث (ہدایہ ج ۱ ص۳۵) حالانکہ وہ کتے کے پیشاب کئے ہوئے برتن کو تین مرتبہ دھونے سے پاک مانتے ہیں

وہیں شارح کو لکھنا پڑا ہے۔

فیه نظر لان بول الکلب ودمه وسائره هو منه لا یطهر الا بالغسل سبعاً عند الشافعی (حاشیہ مولانا مراد) پیشاب اور اس کے خون وغیرہ میں برتن کو سات مرتبہ دھونا ہے

باب الاحرام میں جہاں عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا مسئلہ لکھا ہے وہاں فرماتے ہیں کہ

قال الشافعیؒ انه رکن (ہدایہ ج ۱ ص۲۳۵) امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ بھی حج کا ایک رکن ہے

یہ بھی مصنف کی خطا ہے کیونکہ امام شافعیؒ اسے رکن نہیں سمجھتے چنانچہ ہدایہ کے شارحین کو مجبوراً لکھنا پڑا ہے۔

انه سهو فان کتبهم ناطقة بخلافه (فتح القدیر) یہ مصنف کی غلطی ہے کیونکہ شافعی مذہب کی کتابوں میں صراحت سے لکھا ہے کہ امام شافعی اسے رکن نہیں سمجھتے

اسی طرح باب مایوجب القضاء والکفارہ میں جہاں یہ مسئلہ بیان کیا کہ روزے کی حالت میں جو شخص کھا پی لے اس پر قضا بھی ہے اور کفارہ بھی کیونکہ ایک اعرابی کو جس نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا تھا حضورؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو اس نے عاجزی ظاہر کی تو فرمایا مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھو اس نے کمزوری کا عذر پیش کیا تو آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ وہاں صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

وهو حجة علی الشافعی فی قوله یتخیر (ہدایہ ج ۱ ص۲۰۶) یہ دلیل امام شافعیؒ کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ اختیار ہے

اور امام شافعیؒ پر صریح بہتان ہے کیونکہ امام شافعی بھی اختیار کے نہیں بلکہ ترتیب کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے تو اسے چاہیئے کہ وہ غلام آزاد کرے اگر ایسا کرنے سے معذور ہو تو پھر مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھے اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو طعام کھلائے وجیز اور خلاصہ میں صراحت سے موجود ہے کہ اس معاملہ میں امام شافعی اختیار کے نہیں بلکہ ترتیب کے قائل ہیں خود حنفی النجب فقہائے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ صاحب ہدایہ کی غلطی ہے شیخ الاسلام کی مبسوط اور فخر الاسلام کی مبسوط میں صاف اقرار کیا گیا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب بیان کرنے میں مصنف کی لغزشیں

امام مالکؒ کے مذہب سے مصنف نے اس قدر غفلت برتی ہے کہ ایک جگہ تو یہ تک لکھ دیا کہ متعہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔ فرماتے ہیں

وذکل مالکؒ ھو جائز (ہدایہ ج ۲ صفحہ ۲۹۲) امام مالک کہتے ہیں کہ متعہ جائز ہے۔

حالانکہ امام مالک نکاح متعہ کو بالکل حرام سمجھتے ہیں متعہ کی حرمت کی حدیث انہوں نے اپنی مشہور کتاب مؤطا میں نقل کی ہے۔

عن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ صلعم نھیٰ عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ (مؤطا امام مالک)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے روز حضورؐ نے متعہ سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

اسی لئے تو خود حنفیوں کو بھی کہنا پڑا۔

نسبتہ الی مالک غلط ولا خلاف فیہ بین الائمۃ[1] و علماء الامصار ولا طائفۃ من الشیعہ (فتح القدیر)

امام مالک کی طرف متعہ کے جواز کی نسبت درست نہیں کیونکہ شیعوں کے سوا تمام ائمہ کرام اور علمائے کبار اس کی حرمت پر متفق ہیں

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب بیان کرنے میں مصنفؒ کی لغزشیں

آپ یہ عنوان دیکھ کر حیران ہوں گے مگر یہ حقیقت ہے کہ صاحب ہدایہ سے امام اعظم اور صاحبین کا مذہب بیان کرنے میں بھی خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ چنانچہ باب العتق فی مرض الموت میں جہاں یہ مسئلہ چھیڑا کہ اگر زید مرجائے اسکا ترکہ ۱۰۰۰ دینار ہو عمر کہے کہ میری ایک ہزار کی امانت زید کے ہاں تھی۔ اور بکر کہے کہ زید کے ذمہ میرا ایک ہزار کا قرضہ تھا تو زید کا ترکہ کسے دیا جائے۔ وہاں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ

فعندہ الحرم الودیعۃ اقویٰ (ہدایہ ج ۴ صفحہ ۶۶۱) امام صاحب کے نزدیک امانت زیادہ قوت والی ہے یعنی کل رقم اسے دیدی جائے جس کی امانت زید کے پاس تھی۔

یہ صریح غلط بیانی ہے کیونکہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں عمر اور بکر برابر کے حقدار ہیں۔ آدھی رقم امانت والے (عمر) کو دیدی جائے اور آدھی قرض خواہ (بکر) کو۔ چنانچہ محققین نے اس امر کی تصریح

---

[1] جی ہاں جمہور متعہ کی حرمت پر متفق ہیں مگر جمہور اس بات پر بھی متفق ہیں متعہ کرنے والے کو زنا کی حد لازم نہیں آتی۔ (سفیان)

کی ہے کہ

فعندہما سواءٌ امام اعظم کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

(۱۔ مختلف الروایہ مصنفہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی ۲۔ تقریب مصنفہ قدوری ۳۔ شرح جامع الصغیر فخر الاسلام۔ ۴۔ شرح جامع الصغیر صدر شہید۔ کتاب المختصر مصنفہ ابو جعفر عمر نسفی)

صاحبینؒ کا مذہب بیان کرنے میں مصنف کی لغزشیں

اسی مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک بھی غلط بیان کیا گیا ہے لکھتے ہیں۔

عندہما سواء صاحبین کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

حالانکہ یہ قول امام اعظم کا تھا۔ ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ امام اعظم کا قول صاحبین کے سر تھوپ دیا اور صاحبین کا قول امام صاحب کے سر تھوپا۔

متذکرہ بالا باب میں ایک اور مسئلہ چھیڑا ہے کہ زید نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری جائداد میں سے حج کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ لیکن چونکہ مرنے والے کی وصیت ⅓ حصہ پر اثر انداز ہوسکتی ہے اس لئے دونوں امور کے پورا ہونے کی گنجائش نہیں تو سوال پیدا ہوا کہ حج کو مقدم سمجھا جائے یا زکوٰۃ کو صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمد کا قول یہ ہے کہ حج کو زکوٰۃ پر مقدم سمجھا جائے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ قدوری نے شرح مختصر کرخی میں، شمس الائمہ سرخسی نے شرح کافی میں، بیہقی نے کفایہ میں صاحب تحفہ اور شیخ ابو نصر نے شرح الاقطع میں صاف لکھا ہے کہ امام محمد زکوٰۃ کو حج پر مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ چند کلمات محض بطور مثال عرض کئے گئے ہیں ورنہ اگر انہی غلطیوں کو شمار کرنے بیٹھوں تو ایسی سینکڑوں کتابیں سیاہ کر ڈالوں۔

ہدایہ میں لغت کی غلطیاں

چونکہ میرا اصل موضوع کچھ اور ہے اس لئے لغوی توضیحات میں مصنف کی غلطیوں کو زیادہ وضاحت سے نہیں لکھنا چاہتا محض ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب الذبائح میں لکھتے ہیں۔

(۱) المری مجری النفس (ہدایہ ج ۴ ص ۴۳۱) مری سانس کے آنے جانے کی جگہ کا نام ہے

لغت کی کوئی سی کتاب اٹھا کر دیکھئے مصنف کی غلطی آپ پر واضح ہو جائے گی مری چارے پانی کے گزرنے کی نالی کو کہتے ہیں نہ کہ سانس کے آنے جانے کی جگہ کو چنانچہ ہر لغت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے۔

۱؎ یہ ان لوگوں کا مذہب ہے (سفیان)

(المرای مجری العلف و الماء (ایضاح مغرب) مری چارہ پانی کے گزرنے کی جگہ کا نام ہے۔

ہدایہ میں عربیت اور نحو کی غلطیاں

اس موضوع پر بھی میں تفصیل سے نہیں لکھنا چاہتا محض ایک دو مثالوں پر اکتفا کروں گا کتاب الایات میں لکھتے ہیں قَالَا وَزُفَرُ یہاں مضمر مستتر پر مظہر کا عطف ڈالا گیا ہے جو صرف و نحو کے قواعد کے خلاف ہے کیونکہ جہاں بھی مضمر متصل پر اسم ظاہر کا عطف ڈالنا ہو وہاں ضمیر منفصل ضرور لانی چاہیئے یعنی اصل فقرہ قَالَا وَزُفَرُ نہیں بلکہ قَالَا هُمَا وَزُفَرُ ہونا چاہیئے۔ کتاب الوقف میں لکھتے ہیں۔

وطلحہ حبس دروعہ فی سبیل اللہ ویروی طلحہ کی آہنی زرہیں اور ان کے گھوڑے اکواعہ (ہدایہ ج ۲ صفحہ ۶۲۳) فی سبیل اللہ وقف ہیں

اول تو حضرت طلحہؓ کے نام سے یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں دوسرے "کراع" کی جمع "اکواع" عربیت کے خلاف ہے فعال کی جمع افعال کے وزن پر عرب میں آتی ہی نہیں۔

تاریخی واقعات بیان کرنے میں مصنف کی غلط بیانیاں

نص فی الدفن میں ایک دعا لکھ کر مصنف فرماتے ہیں۔

کذا قالہ رسول صلعم حین وضع حضرت ابودجانہ کو قبر میں اتارتے وقت ابادجانۃ فی القبر (ہدایہ ج ۱ صفحہ ۱۶۳) حضورؐ نے یہی دعا پڑھی تھی۔

یہ مصنف کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ حضرت ابودجانہ نبی صلعم کی وفات کے دو سال بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے[1]۔ چنانچہ علامہ عینی جیسے کٹر حنفی کو بھی کہنا پڑا ھٰذا وَھْمٌ فَاحِشٌ۔

باب الوصیۃ للاقارب میں اسی قسم کی ایک اور غلطی مصنف سے ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں۔

ان النبی صلعم لما تزوج صفیہ اعتق کل من تلاشمن حضور صلعم نے جب حضرت صفیہ سے نکاح کیا ذی رحم محرم منہا (ہدایہ ج ۴ کتاب الوصایا صفحہ ۶۶۳) تو انکے کل ذی محرم رشتہ داروں کو آزاد کر دیا۔

حضرت صفیہ نہیں بلکہ حضرت جویریہ ہونا چاہیے تفاصیل ابوداؤد شریف میں ملاحظہ فرمایئے۔

اسی طرح کی ایک اور صریح غلطی کیطرف اشارہ کرکے میں اس عنوان کو بھی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مصنف مرحوم باب الشہید میں لکھتے ہیں۔

شہداء احد ما توعطاشا والکاس تدار علیھم احد میں جو لوگ زخموں کے باعث شہید ہونے کے

---

[1] معجم طبرانی۔ کتاب الردۃ (سفیان)

خوفا من نقصان الشھادۃ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۱) — ترجمہ: تھے۔ ان پہ پانی کا برتن لے کر گھومتے رہے مگر کسی نے پانی نہ پیا کیونکہ انہیں پانی پی لینے میں اجرِ شہادت کے کم ہوجانے کا خوف تھا۔

یہ جنگ احد کا نہیں بلکہ جنگ یرموک کا واقعہ ہے پھر مصنف نے علت بیان فرمائی کہ انہوں نے پانی اس لئے نہ پیا کہ کہیں شہادت کا اجر کم نہ ہوجائے یہ بھی غلط ہے کیونکہ انہیں شہادت کے اجر کے کم ہوجانے کا خیال نہیں تھا بلکہ وہ دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پہ ترجیح دے رہے تھے۔

ہدایہ اور احادیث

باقی غلطیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اب ہم اس اہم موضوع کی طرف آتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہدایہ میں وارد کردہ تمام روایات ایسی نہیں کہ انہیں بلاشک و شبہ صحیح مان لیا جائے۔ سب سے پہلے ہم ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن میں مصنف نے احادیث میں اپنی طرف سے بعض الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔

باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں

حدیث الخثعمیۃ فانہ علیہ السلام قال فیہ حجی عن ابیک واعتمری (ہدایہ ج ۱ ص ۲۷۷) — خثعمیہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے انہیں فرمایا تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر

یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے لیکن کسی جگہ "واعتمری" کا لفظ نہیں اسی لئے عینی کو لکھنا پڑا۔

فی روایۃ المصنف وھم (بنایہ) — مصنف کی روایت میں غلطی ہے

باب مایوجب القضا والکفارہ میں کفارہ کی مشہور حدیث لکھتے ہیں۔

والحدیث الاعرابی قال یا رسول اللہ ھلکت واھلکت فقال صلعم ماذا صنعت فقال واقعت امراتی فی نہار رمضان متعمدا فقال صلعم اعتق رقبۃ فقال لا املک الا رقبتی فقال صم شھرین متتابعین فقال ھل جاءنی ما جاءنی الا من الصوم فقال اطعم ستین مسکینا فقال لا اجد فامر رسول اللہ صلعم ان یوتی بعرق من تمر ویروی بعرق فیہ خمسۃ عشر صاعا وقال فرقھا علی المساکین فقال واللہ ما بین لابتی المدینۃ احد احوج منی ومن عیالی فقال کل انت وعیالک یجزیک ولا یجزی احدا بعدک (ہدایہ ج ۱ کتاب الصوم ص ۲۰۰)

مشہور حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے آکر عرض کیا "اے اللہ کے رسول ہائے میں تباہ ہوگیا" آپ نے پوچھا "کیوں کیا ہوا؟" عرض کیا "رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا" حضور نے فرمایا "غلام آزاد کردے" عرض کیا میرے پاس تو بس یہی اپنی گردن ہے"۔ آپ نے فرمایا "تو پھر مسلسل دو ماہ روزے رکھ" اس نے کہا "میرے ساتھ جو کچھ ہوا اسی روزے سے ہی تو ہوا ہے" آپ نے فرمایا "تو پھر ساٹھ مسکینوں کو

کھانا کھلا" عرض کیا "اتنی طاقت نہیں" پھر نبی صلعم نے حکم دیا کہ "اسے پندرہ صاع کھجور دی جائے اور اُسے کہا" یہ کھجور لے اور مسکینوں میں تقسیم کر دے" عرض کیا" بخدا مدینہ کی سنگلاخ زمین میں مجھ سے اور میرے عیال سے زیادہ محتاج اور مسکین کوئی نہیں" آپ نے فرمایا" تو پھر تم لوگ ہی کھالو" یہ تیرے لئے جائز ہے مگر تیرے بعد کسی کے لئے جائز نہیں۔

یہ روایت حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں وارد ہوئی ہے لیکن ولا یجزی احد ابعدک (تیرے بعد کسی کیلئے جائز نہیں) والا جملہ کہیں بھی مذکور نہیں۔ اسی لئے علامہ عینی لکھتے ہیں۔

ھذا لم یجرد فی کتاب من کتب الحدیث (بنایہ)　یہ جملہ کتب احادیث میں سے کسی کتاب میں نہیں

حنفی مذہب کا مشہور مسئلہ ہے کہ بغیر قصد بھی اگر کوئی شخص قسم کھائے تو اُسے قسم کا کفارہ دینا پڑیگا۔ باقی ائمہ اس کے قائل نہیں۔ صاحب ہدایہ کتاب الایمان میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔

لقولہ علیہ السلام ثلث جدھن جد وھزلھن　تین چیزوں میں قصد اور تمسخر یکساں حکم رکھتے ہیں طلاق، جد النکاح والطلاق والیمین (ہدایہ ج ۲ صفحہ ۴۵۹)　نکاح اور قسم

ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے مگر "یمین" (قسم) کا لفظ کہیں نہیں ہاں اس کی بجائے رجعت کا لفظ موجود ہے۔ ہم یہاں یہ تو نہیں کہیں گے کہ مصنف مرحوم نے اپنے مذہب کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے رجعت کی بجائے یمین کا لفظ رکھ دیا کیونکہ انھیں بھی تو حضورؐ کا یہ قول معلوم ہوگا کہ

من قال علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار　جو شخص وہ بات میری طرف منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ مصنف" احادیث وارد کرنے میں بھی محتاط نہیں تھے۔

حنفی مذہب کا ایک اور مسئلہ ہے کہ شکاری کتے اور ریوڑ کی رکھوالی کرنے والے کتے کی خرید و فروخت جائز ہے اس کی تائید میں صاحب ہدایہ نے یہ حدیث وارد کی ہے۔

انہ علیہ السلام نہی عن بیع الکلب الا کلب صید او ماشیتہ۔ (ہدایہ ج ۳ کتاب البیوع مسائل منثورہ)　نبی صلعم نے شکاری کتے اور ریوڑ کے کتے سوا باقی تمام کتوں کی خرید و فروخت سے منع فرما دیا۔

یہ روایت ترمذی وغیرہ میں موجود ہے (اگرچہ محدثین نے اُسے بھی ضعیف قرار دیا ہے) لیکن اوماشیتہ (ریوڑ کا کتا) کے الفاظ وہاں بھی موجود نہیں۔

شافعی مذہب کا مسئلہ ہے کہ فیصلہ کے لئے قاضی کو مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے حنفی اس کے مخالف ہیں۔ صاحب ہدایہ اپنے مذہب کے اثبات اور شافعی مذہب کی تردید میں ایک حدیث وارد کرتے ہیں۔

قال صلعم انما بنیت المساجد لذکر اللہ تعالیٰ والحکم (ہدایہ ج ۳ کتاب ادب القاضی ص۱۱۹)
نبی صلعم نے فرمایا کہ مساجد صرف ذکر خداوندی اور فیصلہ کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔

صحیح مسلم وغیرہ میں اس قسم کی ایک روایت موجود ہے لیکن اس میں بھی "والحکم" کا لفظ موجود نہیں۔

حنفی مذہب کا ایک مسئلہ ہے کہ مکہ شریف کے گھروں کو بیچنا جائز ہے اور زمین کو بیچنا مکروہ ہے۔ امام محمد اور امام ابویوسف کے نزدیک زمین کو بیچنا بھی جائز ہے لیکن صاحب ہدایہ نے یہاں ایک عجیب روایت وارد کی ہے جو خود ان کے مذہب کی موافقت بھی نہیں کرتی معلوم اس کے وارد کرنے سے ان کا مطلب کیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

الا ان مکۃ حرام لا تباع رباعھا ولا تورث (ہدایہ ج ۴ کتاب الکراہیۃ)
کہ حرم ہے نہ اس کے گھر بیچے جائیں نہ ورثے میں دیئے جائیں۔

اولاً تو مصنف نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ روایت ان کے حق میں ہے یا ان کے خلاف ثانیاً "لا تورث" کا لفظ مصنف کا خانہ ساز ہے کسی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں۔

امام ابویوسف کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں تکبیر اولیٰ کے بعد سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پھر آیہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ بھی پڑھ لینی چاہیئے۔ صاحب ہدایہ چونکہ اس کے مخالف ہیں اس لئے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی صلعم تکبیر اولیٰ کے بعد سبحانک اللھم پڑھتے "ولم یزد علی ھذا" (اور اس پر کچھ اضافہ نہ کرتے تھے) حالانکہ ولم یزد علی ھذا کا جملہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں۔

فقہ حنفی کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کھڑا کرلے لیکن کسی حدیث میں چونکہ جنگل کا لفظ نہیں تھا اس لئے مصنف نے حدیث میں اپنی طرف سے اس لفظ کا اضافہ کر دیا، فرماتے ہیں۔

لقولہ علیہ السلام اذا صلّی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیہ سترہ (ہدایہ جلد اول باب ما یفسد الصلوٰۃ)
جب تم میں سے کوئی جنگل میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کھڑا کرلے

فقہ شافعی کا مسئلہ ہے کہ صرف رمضان شریف کے نصف آخر میں وتر کی نماز میں قنوت پڑھ سکتا ہے۔ حنفی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ اس لئے مصنف نے ایک طویل روایت بیان کی جس میں بتایا کہ حضور نے حضرت حسن بن علیؓ کو دعائے قنوت سکھائی پھر فرمایا۔

اجعل ھذا فی وترک (ہدایہ ج ۱ ص۱۲۵)
اسے وتر میں پڑھا کرو۔

سنن میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور نے حضرت حسن بن علی کو دعائے قنوت سکھائی مگر

اجعل ھذا فی دفترک (اسے دفتر میں پڑھا کر) والا جملہ مصنف کا ہے کسی روایت میں وارد نہیں ہوا۔

حنفی مذہب کا مسئلہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ ممنوع ہے۔ صاحب ہدایہ اس کی تائید میں ایک روایت لاتے ہیں۔

قال صلعم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ (ہدایہ ج ۱ فصل فی الصلوۃ علی المیت) حضورؐ نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کا کوئی اجر نہیں۔

"فلا اجر لہ" کا کلمہ مصنف نے نہ جانے کہاں سے حدیث میں داخل کیا ہے ہمیں تو کسی حدیث کی کتاب میں یہ الفاظ نظر نہیں آئے اسلئے تو علامہ عینی کو کہنا پڑا "خطا فاحش" (یہ مصنف کی فحش غلطی ہے)

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو اس کا خاوند تین طلاقیں بائنہ دیدے تو تیسری طلاق کے بعد بھی عدت تک اس کا نان نفقہ اور رہائش خاوند کے ذمہ ہے شافعیہ اس کے برخلاف ہیں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو جب طلاق بائنہ دی گئی تو حضورؐ نے نہ تو انہیں نان و نفقہ دلایا نہ مکان، صاحب ہدایہ اس روایت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کو فاروق اعظمؓ نے رد کر دیا اور فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول صلعم کو ایک عورت کے قول سے نہیں چھوڑ سکتے نمعلوم وہ سچی ہے یا جھوٹی اور اسے واقعہ یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے کیونکہ

سمعت رسول اللہ صلعم یقول للمطلقۃ الثلث النفقۃ والسکنی مادامت فی العدۃ (ہدایہ ج ۲ کتاب العدۃ) فاروق اعظم نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا کہ جس عورت کو طلاق بائنہ ملے تو اسے بھی عدت تک نان و نفقہ اور رہائش ملے گی۔

حالانکہ حدیث کی کتاب میں مصنف کی بیان کردہ روایت نہیں مل سکتی۔

حنفی مذہب کا مسئلہ ہے کہ رات کے نوافل ایک سلام سے آٹھ رکعت تک پڑھے جا سکتے ہیں اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے کراہیت کی دلیل بھی سنئے

والدلیل الکراہۃ انہ علیہ السلام لم یزد علی ذالک (ہدایہ ج ۱ باب النوافل) کراہیت کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے ایک سلام سے آٹھ سے زیادہ رکعتیں کبھی نہیں پڑھیں

مصنف کا یہ دعوے قطعی غلط ہے کیونکہ صحیح مسلم میں ہے۔

یصلی تسع رکعات لایجلس فیھا الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینھض ولا یسلم ثم یقوم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶)

رسول خدا صلعم نو رکعتیں پڑھتے آٹھ رکعت تک التحیات میں نہ بیٹھتے آٹھویں میں صرف بیٹھتے اور اللہ کا ذکر اور حمد و دعا کے بغیر سلام پھیرے اٹھ کھڑے ہوتے اور نویں رکعت پوری کرکے پھر بیٹھتے اور ذکر، حمد و دعا

کے بعد سلام پھیرتے تھے اس روایت میں حضورؐ کا ایک سلام سے نو رکعت پڑھنا ثابت ہے مگر صاحب ہدایہ نے اس کے برخلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ حضورؐ ایک سلام سے آٹھ سے زیادہ رکعت نہیں پڑھتے تھے۔

باب صلوٰۃ الکسوف میں فرماتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازوں میں خطبہ نہیں پڑھنا چاہیئے دلیل یہ دی ہے کہ لانہ لم ینقل (کیونکہ حضورؐ سے یہ منقول نہیں) مصنف کا یہ دعوےٰ بھی غلط ہے صحیحین میں حضرت اسماءؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے صلوٰۃ کسوف میں خطبہ پڑھا تھا مسند احمد مستدرک حاکم، سنن نسائی اور ابن حبان میں بھی یہ روایت مختلف راویوں سے منقول ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" پورا پڑھنا شرط نہیں صاحب ہدایہ اس کی تائید میں فرماتے ہیں کہ

وما تداولتہ الالسن عند الذبح وھو قولہ بسم اللہ اللہ اکبر یہ جو ذبح کے وقت عوام بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ منقول عن ابن عباس (ہدایہ ج ۴ کتاب الذبائح) (یہ حدیث رسولؐ نہیں) بلکہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔

مصنفؒ کا یہ دعویٰ بھی صراسر بے جا ہے کیونکہ مسلم شریف[۱] میں صاف موجود ہے کہ حضورؐ نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا چنانچہ فقہا کو کہنا پڑا۔

ولقد حجز المصنف علی نفسہ ففیہ حدیث مرفوع اخرجہ الائمۃ الستۃ فی کتبھم فی الاضحایا عن قتادہ عن انس ان النبی صلعم کان یضحی بکبشین املحین اقرنین یذبحھما بیدہ ویسمی ویکبر (نصب الرایہ)

مصنف نے یہاں بڑے بخل سے کام لیا ہے کیونکہ ان کلمات کا کہنا تو مرفوع حدیث سے ثابت ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے کہ نبی صلعم نے دو مینڈھے سینگوں والے ذبح کئے اور اللہ کا نام لیا اور تکبیر پڑھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسلمان اور ذمی کا فرکی دیت برابر ہے امام شافعیؒ اس کے مخالف ہیں وہ ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان اگر خطاءً قتل ہو جائے تو اس کی دیت بارہ ہزار درہم ہے یہود و نصاریٰ کی چار ہزار درہم اور مجوسی کی آٹھ سو درہم اس روایت کا جواب دیتے ہوئے مصنف ہدایہ فرماتے ہیں۔

مارواہ الشافعی لم یعرف راویہ ولم یذکر فی کتب الحدیث امام شافعی کی بیان کردہ روایت کے راوی غیر معروف ہیں (ہدایہ ج ۴ کتاب الدیات) دوسرے یہ کسی حدیث کی کتاب میں مذکور نہیں۔

جہاں تک مصنف کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ اس کے راوی غیر معروف ہیں تو سنئے کہ اس کے راوی ہیں سعد بن مسیب، حضرت عمرو بن شعیب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمر فاروق اب خود ہی اندازہ کیجئے کہ ان میں

---

[۱] صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۵۶

سے کون سا راوی غیر معروف ہے۔ رہا یہ دعویٰ کہ یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نہیں تو حق یہ ہے کہ یہ دعویٰ بھی بے دلیل ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور مسند شافعی میں یہ روایت وارد ہے۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ پانی دو قلے ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جب تک پانی کا رنگ اور مزہ تبدیل نہ ہو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

حنفیہ کے اس کے مخالف ہیں امام شافعیؒ اپنی تائید میں ایک روایت بیان کرتے ہیں۔

لقولہ علیہ السلام اذا بلغ الماء قلتین لایحمل خبثا حضور صلعم نے فرمایا جب پانی دو قلے ہو اور نجاست سے اس مزہ اور رنگ تبدیل نہ ہو تو ناپاک نہیں۔

اس پر مصنف ہدایہ فرماتے ہیں مارواہ الشافعی ضعفہ ابوداؤد شافعیؒ کی بیان کردہ روایت کو امام داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مصنف کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے اس روایت کو کہیں بھی ضعیف قرار نہیں دیا۔ اصحاب سنن اربعہ نے یہ روایت بیان کی ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

راویوں کے نام لینے میں لغزشیں

اس عنوان کے تحت ہم مختصراً مصنف کی لغزشوں کی طرف اشارات کریں گے کیونکہ اگر ہم اسی تفصیل میں پڑ گئے تو اصل موضوع سے دور ہٹ جائیں گے۔ مصنف نے جلد اول باب صفۃ الصلوٰۃ میں وائل بن حجر کی طرف جو روایت منسوب کی ہے وہ براء ابن عازب کی ہے۔ جلد اول باب الاحرام میں جابرؓ کی جو روایت بیان ہوئی وہ اصل میں ابن عباس کی ہے۔ اسی باب میں جابرؓ کی طرف ایک اور روایت منسوب کی گئی ہے جو اصل میں عائشہؓ سے مروی ہے۔ جلد اول فصل فی ما یتعلق بالطواف میں ابن عباسؓ کی روایت ابن مسعودؓ سے منسوب کی گئی ہے۔ اسی جلد کے باب مالفسد الصلوٰۃ میں ابو ہریرہ کی روایت حضرت ابوذرؓ سے منسوب کر دی گئی ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے عرض کیا ہے اس عنوان پر ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے اب ہم عنانِ قلم ایک نئے موضوع کی طرف پھیرتے ہیں۔

صحابہ کے اقوال بیان کرنے میں لغزشیں

اور مصنفؒ کی ان لغزشوں کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں جن میں انہوں نے بعض اقوال و افعال کو غلط طریقہ سے صحابہ سے منسوب کر دیا خدا مصنف پر رحم کرے فصل فی الوطی میں فرماتے ہیں۔

وقد روی ان ابابکر رضی اللہ عنہ کان یصافح العجائز روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۴۳)

حالانکہ کسی روایت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ فعل منقول نہیں۔ اسی فصل میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وکان ابن عمرؓ یقول الاولی ان ینظر لیکون ابلغ فی تحصیل معنی اللذۃ (ہدایہ ج ۴ صفحہ ۴۴۳)

حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ بہتر ہے مرد اپنی عورت کی شرمگاہ دیکھے تاکہ جماع میں خوب لذت حاصل ہو[1]

حضرت ابن عمرؓ سے یہ قول منسوب کرنا بھی صریح ظلم ہے اصل میں یہ قول انکا نہیں بلکہ بعض کتابوں میں یہ قول امام اعظمؒ کے سر چپکایا گیا ہے۔

روی عن ابی یوسف قال سالت ابا حنیفۃ عن الرجل یمس فرج امرأتہ وتمس ھی فرجہ لیتحرک علیھا ھل تری بذلک باسا قال لا وارجوان یعظم الاجر۔ (عنایہ)

روایت ہے کہ امام ابو یوسف نے امام اعظم ابو حنیفہ سے پوچھا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ پر ہاتھ پھیرے اور بیوی اپنے شوہر کی شرمگاہ پر ہاتھ پھیرے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کوئی حرج نہیں بلکہ مجھے تو امید ہے کہ اس فعل سے دونوں کو اجر عظیم ملے گا۔

مصنف مرحوم نے جناب فاروق اعظم سے بھی اسی قسم کا ایک اور قول منسوب کیا ہے جو نہ توکسی حدیث کی کتاب سے ثابت ہے نہ تاریخ سے۔

یقول عمر الق عنک الخمار یا دفار (ہدایہ ج ۱ باب شروط الصلاۃ) فاروق اعظم نے فرمایا اے لونڈی اپنے سر سے دوپٹہ اتار ڈال۔ واللہ یہ فاروق اعظم کا قول نہیں ہاں حنفی مذہب کا یہ مسئلہ ضرور ہے کہ لونڈی اپنا سر نہ چھپائے۔

حنفی مذہب کا مسئلہ ہے کہ اس میں اختیار ہے کہ فی گھوڑا ایک دینار زکوٰۃ دی جائے یا گھوڑوں کی قیمت لگا کر اس پہ ۲½ % زکوٰۃ دی جائے اس مسئلہ کو فصل فی الخیل میں بیان کرکے مصنف لکھتے ہیں ماثور عن عمر (حضرت عمرؓ سے یہی روایت ہے) حالانکہ یہ مصنف کا سہو ہے حضرت عمرؓ سے یہ الفاظ منقول نہیں۔ حنفی مذہب کا ایک اور مسئلہ ہے کہ اگر کافر حربی تجارت کو ہمارے ملک میں آئے اور ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ اپنے ملک میں مسلمانوں سے کتنا ٹیکس لیتے ہیں تو ان سے مال کا دسواں حصہ ٹیکس لیا جائے اس قول کو بھی فاروق اعظم کے سر چپکایا گیا ہے۔ یہاں علامہ عینی کو بھی یہ کہتے بن پڑی کہ

عن عمر لم یثبت (بنایہ) یہ روایت کہیں نہیں ملتی۔

کتاب الاضحیہ میں مصنف نے عجیب و غریب حرکت کی ہے مشہور روایت ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر قربانی نہیں کیا کرتے تھے اس روایت کے بعد مصنف نے دو تین لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں لکھتے ہیں۔

---

[1] ہم اس قسم کی روایات کو دل پر پتھر رکھ کر درج کر رہے ہیں اور قارئین کے ذوقِ سلیم سے معذرت خواہ ہیں (طلوع اسلام)

کانا ابوبکر و عمر لا یضحیان اذا کانا مسافرین (ہدایہ ج ۴) ابوبکرؓ و عمرؓ جب سفر میں ہوتے تو قربانی نہ کرتے تھے۔ دیکھا آپ نے اس طرح مصنف نے ایک ہی تیر سے دو شکار مارے ہیں چونکہ مشہور روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ قربانی نہیں کرتے تھے۔ ادھر ادھر حنفی قربانی کو واجب سمجھتے ہیں اور یہ بھی ان کا مذہب ہے کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں اس لئے اذا کانا مسافرین، کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا کر قربانی کا وجوب بھی باقی رہنے دیا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ باب الاحرام میں لکھتے ہیں کہ منیٰ میں رات نہ گزارنے والوں کو حضرت عمرؓ سزا دیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ روایت کسی کتاب میں نہیں ملے گی مصنف نے بعض مقامات پر صحابہ اور تابعین کے اقوال کو حدیثِ رسولؐ کہ دینے کی خوفناک خطائیں بھی کی ہیں

حنفیہ کا مذہب ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں مالکیہ کہتے ہیں کہ بغیر قبضہ کے بھی ہبہ جائز ہے مصنف مرحوم مالکیہ کی تردید میں فرماتے ہیں۔

ولنا قوله علیه السلام لا یجوز الھبة الا مقبوضة (ہدایہ ج ۳ کتاب الھبہ ص۲۶۱)　　ہماری دلیل سرورِ کائنات صلعم کا یہ فرمان ہے کہ ہبہ بغیر قبضہ کے جائز نہیں

جو قول حضورؐ سے منسوب کیا گیا ہے وہ اصل میں ابراہیم نخعیؒ کا ہے جو صحابی بھی نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ اس پر مصنف مرحوم ایک ایسے قول کو حدیثِ رسول کہہ کر استدلال کرتے ہیں جو حضورؐ تو کجا کسی امتی سے بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں فرماتے ہیں۔

لقوله علیه السلام لا جمعة الا فی مصر جامع (ہدایہ ج ۱ باب صلوٰۃ الجمعہ)　　حضورؐ کا قول ہے کہ جمعہ کی نماز سوائے کسی بڑے شہر کے اور جگہ ہوتی ہی نہیں۔

ہدایہ کے مسائل کا اجمالی خاکہ جنہیں اہلحدیث باطل قرار دیتے ہیں

میں صرف چند مسائل کا ذکر کر رہا ہوں ورنہ آپ جانتے ہیں کہ اگر صرف اسی عنوان پر تفصیل سے لکھا جائے تو سینکڑوں کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

۱۔ اگر رکوع سجود والی نماز میں کوئی شخص قہقہہ مار کر ہنس پڑے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جنازہ کی نماز میں ایسا کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (ہدایہ ج ۱ فصل فی نواقض الوضو)

۔ چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے سوا اور جگہ کرنے سے جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں[1] (ج ۱۔ فصل فی الغسل)

---

[1] اس عنوان کے تحت بھی اس قسم کے مسائل سامنے آتے ہیں۔ جنہیں لکھتے وقت ہماری نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ (طلوع اسلام)

۳- انسان اور خنزیر کے سوا جس جانور کے چمڑے کو دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔
(ج ۱ باب الماء الذی یجوز الخ)

۴- کتا نجس العین نہیں (ج ۱ باب ایضاً)

۵- کتے، بھیڑیئے، گدھے وغیرہ کی کھالیں بلکہ گوشت بھی ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے
(ج ۱ باب ایضاً)

۶- پتھر، گچ، چونا، سرمہ اور ہڑتال وغیرہ سے بھی تیمم ہو جاتا ہے (ج ۱ باب التیمم)

۷- ایک شخص عربی میں اچھی طرح پڑھ سکتا ہے باوجود اس کے فارسی میں قرآن کے معانی پڑھتا ہے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کی بجائے اس کا فارسی ترجمہ پڑھتا ہے، فارسی ہی میں نماز پڑھتا ہے تو یہ سب کچھ جائز ہے (ہدایہ ج ۱ باب صفۃ الصلوٰۃ)

(۸) ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے صرف پہلی دفعہ پڑھ لینا کافی ہے
(ج ۱ باب ایضاً)

۹- رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں (ایضاً)

۱۰- رکوع و سجدہ بھی سکون سے کرنا فرض نہیں (ایضاً)

۱۱- اندھے کی امامت مکروہ ہے (ج ۱ باب الامامۃ)

۱۲- اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد گوز مارے یا بات چیت کرے تو بھی اس کی نماز پوری ہو جائیگی
(ج ۱ باب الحدث)

۱۳- کسی غریب کو زکوٰۃ میں سے دو سو درہم (پچاس روپے تقریباً) یا اس سے زائد دینا مکروہ ہے
(ج ۱- باب من یجوز دفع الصدقات)

۱۴- مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا (ج ۱ باب ما یوجب القضاء والکفارہ)

۱۵- پاخانے کی جگہ وطی کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا امام ابوحنیفہ کا فتویٰ یہی ہے
(ایضاً)

۱۶- مردہ عورت سے یا جانور سے بدفعلی کرنے سے روزے کا کفارہ لازم نہیں آتا انزال ہو یا نہ ہو (ایضاً)

۱۷- شرمگاہ کے بغیر کسی اور جگہ بدفعلی کی اور انزال بھی ہوا تب بھی روزے کا کفارہ لازم نہیں (ایضاً)

۱۸۔ کسی مرد نے کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لیا یا اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا یا اس عورت نے مرد کی شرمگاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھ لیا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو گئی۔[1]

۱۹۔ اگر مرد عورت کو چھولے اور مرد کو انزال ہو جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اسی طرح اگر اس عورت سے پاخانے کی جگہ وطی کی تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔ (ایضاً)

۲۰۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے وہ مرد اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا (ایضاً)

۲۱۔ کسی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس سے ہم بستری کر سکتا ہے ایک حیض تک کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں (ایضاً)

۲۲۔ ایک عورت نے ایک مرد پر جھوٹا دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور جھوٹے گواہ گزار دیئے قاضی نے اس پر فیصلہ کر دیا حالانکہ نکاح نہیں ہوا تو اب دونوں کو ایک جگہ رہنا اور جماع کرنا جائز ہے، امام اعظم کا یہی فتویٰ ہے (ایضاً)

۲۳۔ ذمی مرد نے ذمی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں شراب یا سوّر مقرر کیا پھر دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تو بھی مہر میں شراب یا سوّر ادا کرے اگر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے۔

(ج ۲ فصل فی احکام النکاح)

۲۴۔ زانی کو سنگسار کرتے وقت پہلے گواہ سنگ باری کریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو حد ساقط ہو جائے گی اور زانی کو رجم نہ کیا جائے گا (ج ۲ فصل کیفیۃ الحد)

---

[1] ۱۸ اور ۱۹ کو ملا کر پڑھیے تو آپ حیران ہونگے کہ ۱۸ میں صرف چھونے سے حرمت ثابت ہے مگر ۱۹ میں چھونے سے اگر انزال ہو جائے تو حرمت ثابت نہیں۔ ۱۸ میں شرمگاہ کو دیکھ لینے سے حرمت ثابت مگر ۱۹ میں وطی فی الدبر کر لینے سے حرمت مفقود۔ خدا مغفرت کرے ہمارے اسلاف کن کن مسائل کو سلجھانے میں عمریں کھپا گئے۔ آج ان کے یہ نوادرات شریف آدمیوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے بھی قلم کھٹرا رہا ہے۔ اور اگر بدقسمتی سے میری کتاب کسی شریف بہو بیٹی کی نظر سے گزری تو کہے گی کیسا بے حیا ہے یہ مرد و اسفیان بھی کہ ایسی فحش باتیں کر رہا ہے۔ اے میری باحیا بچیو معاف کرو کہ یہ سب کچھ "دین" ہے۔ ہمارے اسلاف کا چھوڑا ہوا پاکیزہ "دین"۔ (برق)

۲۵- جو شخص اپنے باپ کی یا ماں کی یا بیوی کی لونڈی سے زنا کرے اور کہدے کہ میرا خیال تھا یہ مجھ پر حلال ہے تو اُسے حد نہیں لگائی جائے گی (ج ۲ باب الوطی)

۲۶- کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پھر عدت کے دوران اُس نے زنا کیا یا ام ولد لونڈی کو آزاد کیا اور دوران عدت اُس نے زنا کیا یا غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا اگر یہ لوگ کہدیں کہ انہوں نے یہ فعل جائز سمجھ کر کیا تھا تو کسی پر کوئی حد نہیں (ایضاً)

۲۷- اگر کسی کے پاس دوسرے کی لونڈی گروی ہو اور وہ اُس سے زنا کرے تو اس پر بھی کوئی حد نہیں (ایضاً)

۲۸- اگر کوئی شخص اپنی اولاد کی لونڈی سے یا اولاد کی اولاد کی لونڈی سے زنا کرے تو اس پر حد نہیں اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ اس پر حرام ہیں۔ (ایضاً)

۲۹- جو شخص ان عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جن سے نکاح حرام ہے (مثلاً بہن بیٹی ماں وغیرہ) تو بھی اس پر حد واجب نہیں امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے (ایضاً)

۳۰- جو شخص لواطت کرے اس پر حد نہیں چاہے عورت سے کرے چاہے مرد سے (ایضاً)

۳۱- جو شخص دارالحرب میں زنا کرے پھر دارالاسلام میں آ جائے اس پر کوئی حد نہیں (ایضاً)

۳۲- جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں۔ (ایضاً)

۳۳- اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے کسی پاگل یا کسی بچے سے زنا کرائے تو نہ عورت پر حد ہے نہ پاگل یا بچے پر (ایضاً)

۳۴- [1] خود مختار بادشاہ جو برا کام بھی کرے (مثلاً چوری، زنا، مےخواری وغیرہ) اس پر کوئی حد نہیں ہاں اگر وہ کسی کو بلا وجہ قتل کر دے تو اس پر قصاص ہے۔ (ایضاً)

۳۵- کسی چور کی چوری، زانی کی زنا کاری اور شرابی کی شراب خوری کے وقوع کے ایک ماہ بعد اگر گواہ گواہی دیں تو چور، زانی شرابی پر کوئی حد نہیں۔

(باب الشہادۃ علی الزنا ج ۲)

---

[1] اموی و عباسی ملوکیت کے دورِ استبداد میں ایسی فقہ ہی جنم لے سکتی تھی۔ اس موضوع پر استادِ گرامی جناب علامہ السید محمد السیفی کا گراں قدر مقالہ المخطات ۱۹۵۶ء کے چوتھے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ ہم زیرِ نظر کتاب (فقہ الفقہ) کے آخری باب میں اُسے بلفظہٖ نقل کر رہے ہیں۔ اس مقالہ میں موضوع پر پوری تفاصیل فراہم کی گئی ہیں (سفیان)

۳۶- اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وہ زانی مرد کو تو پہچانتے ہیں لیکن زانیہ کو نہیں پہچانتے تو اس مرد پر بھی حد نہیں ہوگی (ایضاً)

۳۷- ایک زانی کے زنا پر چار گواہ ہیں دو تو کہتے ہیں کہ وہ عورت راضی نہ تھی دو نے کہہ دیا کہ وہ راضی تھی تو نہ عورت کو حد لگائی جائیگی نہ مرد کو امام اعظم اور امام زفر کا یہی فتویٰ ہے۔ (ایضاً)

۳۸- شرابی اگر اپنی شراب خوری کا اس وقت اقرار کرے جب اُس کے منہ سے بو نہ آتی ہو اس پر حد نہیں۔ (ج ۲ باب حد الشرب)

۳۹- شرابی کے منہ سے اگر شراب کی بد بو نہیں آ رہی اور اس وقت گواہ گواہی دیتے ہیں تو بھی شرابی پر حد نہیں (ایضاً)

۴۰- جو نشہ اور مباح چیزیں ہیں ان کے استعمال سے اگر نشہ آئے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا۔ (ج ۲ حد الشرب)

۴۱- خشک لکڑی، گھاس، بانس، مچھلی، پرند مثلاً مرغ، بطخ، کبوتر وغیرہ ہڑتال، سرخ مٹی، قلعی اور چونے کے چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ج ۲ باب یقطع فیہ)

۴۲- ان چیزوں کی چوری پر بھی قطع ید نہیں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے دودھ، گوشت تربوزے (ایضاً)

۴۳- پینے کی نشہ آور چیزوں کے سرقہ پر بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)

۴۴- آلات طرب مثلاً طنبورہ وغیرہ کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی (ایضاً)

۴۵- قرآن شریف کی چوری پر بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے چاہے وہ سونے کے کام والا ہو (ایضاً)

۴۶- مسجد حرام کے دروازے اگر کوئی چور چرائے جائے تو اس کے بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)

۴۷- سونے کی صلیب، شطرنج اور نرد چرانے والے کے ہاتھ بھی نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)

۴۸[1]- اگر کوئی شخص بچے کو چرا لیجائے اگرچہ وہ زیور بھی پہنے ہوئے ہو تاہم اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)

۴۹- بڑی عمر کا غلام چرایا جائے تو بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)

۵۰- کفن اور صحیفے کے چور پر بھی قطع ید کی حد نہیں (ایضاً)

۵۱- کفن چور کا ہاتھ بھی نہ کاٹنا چاہیئے (ایضاً)

---

[1] علمائے پاکستان کے مطالبے کے مطابق ملک کا عام قانون اگر فقہ حنفی کے مطابق ہوا تو معصوم بچوں کو اغوا کرنے والوں کے ہاتھ بھی نہیں کاٹے جائیں گے کیا کہ آپ ان درندوں کے لئے موت کی سزا تجویز کریں (نصیر شاہ)

۵۲۔ ایک شخص نے ایک چیز چرائی اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور وہ چیز مالک کو واپس کر دی گئی اب پھر اگر وہ اُسے چرائے تو اس پر قطع ید کی سزا نہیں (ایضاً)

۵۳۔ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کے گھر سے کوئی چیز چرائے تو اس پر حد نہیں (ایضاً)

۵۴۔ کوئی شخص حمام میں سے یا ایسے گھر میں سے کچھ چرا لائے جہاں اُسے جانے کی اجازت ہے تو اس پر حد نہیں (ایضاً)

۵۵۔ مہمان میزبان کے گھر سے کچھ چرائے تو اس پر بھی حد نہیں (ایضاً)

۵۶۔ چور نقب لگا کر کسی کے گھر میں گھسا وہاں سے مال لے کر ایک دوسرے چور کو دیدیا جو گھر کے باہر کھڑا تھا تو دونوں قطع ید کی حد سے بچ گئے (ایضاً)

۵۷۔ اگر کوئی چور کہیں سے مال چرا کر اُسے گدھے پر لاد دے اور گدھے کو ہانک دے تو بھی اس پر قطع ید کی حد نہیں (ایضاً)

۵۸۔ ایک چور مکان میں نقب لگائے اور مکان کے اندر نہ گھسے بلکہ باہر سے ہی ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز چرائے تو اُس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں (ایضاً)

۵۹۔ ایک چور اگر چوری کرے دو گواہ بھی گواہی دیدیں لیکن وہ دعوےٰ کرے کہ یہ میرا اپنا مال ہے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں (ایضاً)

۶۰۔ ایک چور نے بکری چرائی لیکن وہیں اُسے ذبح کر ڈالا پھر نکال لے گیا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے (ایضاً)

۶۱۔ ایک شخص نے کپڑا چرایا اور سرخ رنگ میں رنگ دیا تو اُس کا ہاتھ کاٹا جائے مگر کپڑا اُس سے واپس نہ لیا جائے۔ امام اعظم اور ابو یوسف کا یہی فتویٰ ہے (ج ۲ باب ما یحدث السارق)

۶۲۔ اگر ذمی کا فرجزیہ ادا کرنے سے انکار کرے، یا کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے یا نبی علیہ السلام کو گالیاں دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے پھر بھی اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا (ج ۲۔ فصل فی ما ینقض الذمی)

۶۳۔ سؤر کے بالوں سے جوتا گانٹھنا جائز ہے (ج ۳۔ باب البیع الفاسد)

۶۴۔ دس درہم سے کم کی (۲½ روپے سے کم کی) چوری پر قطع ید نہیں (ج ۲۔ باب ما یقطع فیہ)

۶۵۔ ایک ہی وقت میں تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (ج ۱۔ باب الطلاق)

۶۶۔ مسلمان کسی عیسائی کو کہے کہ میری شراب بیچدے یا مجھے شراب خرید دے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے (ج ۳۔ باب البیع الفاسد)

۶۷۔ غلام اور آقا کے درمیان کوئی سود نہیں یعنی آقا اپنے غلام سے سود لے سکتا ہے (ج ۳ باب الربوٰا)

۶۸۔ مسلمان اور حربی کافر میں دار الحرب میں یا دار الکفر میں کوئی سود نہیں یعنی کفار کی حکومت میں مسلمان وہاں کے رہنے والے کافروں سے سود لے سکتا ہے۔ (ایضاً)

۶۹۔ کفار کا مال کفار کی حکومت میں مسلمان پر مباح ہے جس طرح چاہے لے وہ مال مباح ہی رہے گا (چاہے چوری کرے چاہے لوٹ مار کرے) (ایضاً)

۷۰۔ کتے اور چیتے اور سدھے ہوئے جانوروں کی خرید و فروخت جائز ہے چاہے شکاری ہوں یا غیر شکاری (ج ۳۔ مسائل منثورہ)

۷۱۔ نابینا کی گواہی قبول نہ کی جائے اگر کوئی شخص گواہی دینے کے بعد نابینا ہو جائے تب بھی اس کی گواہی پر فیصلہ کرنا منع ہے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا فتویٰ اسی پر ہے (ج ۳۔ باب من یقبل شہادتہ)

۷۲۔ جو شخص کسی مسلمان کا بربط، طبلہ، باجہ یا ڈھول توڑ دے یا اس کی شراب بہا دے تو اُسے اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اسی طرح مزامیر، طبلہ، دف اور نشہ آور چیز کی خرید و فروخت جائز ہے۔ امام اعظم کا یہی فتویٰ ہے (ج ۳ فصل فی غصب مالا یتقوم)

۷۳۔ مرد اپنی محرم عورت کا چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازو دیکھ سکتا ہے (ج ۴ فصل فی الوطی والنظر)

۷۴۔ محرم عورتوں کا چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیاں اور بازو چھونے میں بھی کوئی حرج نہیں (ایضاً)

۷۵۔ شیرۂ انگور اس شخص کے ہاتھ بیچنا جائز ہے جس کے متعلق علم ہو کہ وہ اس کی شراب بنائے گا۔ (ج ۴۔ فصل فی البیع)

۷۶۔ کرایہ پر مکان دینا اس لئے کہ کرایہ دار اس میں آتشکدہ، گرجا یا شراب خانہ کھولے جائز ہے۔ امام اعظم کا یہی قول ہے (ایضاً)

۷۷۔ امام اعظم کے نزدیک گندم، جو، جوار اور شہد کی شراب حلال ہے اس کے پینے والے کے لئے کوئی حد نہیں اگرچہ وہ مست بھی ہو گیا ہو۔ (ج ۴۔ کتاب الاشربہ)

۷۸۔ ہمارے نزدیک حرام وہی پیالہ ہے جس سے نشہ آئے۔ (ج ۴۔ کتاب الاشربہ)

۷۹۔ امام اعظم کا قول ہے کہ ریشمی بستروں پر سوتے اور ریشمی تکیوں پر سر رکھنے میں کوئی حرج نہیں (ج ۴۔ فصل فی اللبس)

۸۰۔ اگر کوئی شخص کسی کی ایسی لونڈی غصب کر لے جس سے اس کی اولاد ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک غاصب قیمت کا ضامن نہ ہوگا (ج ۳۔ فصل فی غصب ما یتقوم)

یہ چند مسائل ہم نے محض اس لئے بیان کئے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اگر کسی ملک میں فقہ حنفی کو قانون کی حیثیت دی جائے تو اہل حدیث حضرات اس کے مقابلہ پر اتر آئیں گے یہ تو محض چند مسائل بیان کئے گئے ہیں نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ جس طرح احادیث میں باہمی اختلافات زیادہ ہیں اس سے ہزار گنا زائد اختلافات فقہ میں راہ پا گئے ہیں۔ اہل حدیث اور اہل فقہ دو بالکل متضاد گروہ ہیں اور یہ کبھی ایک مقام پر جمع بھی نہیں ہو سکتے اوپر بیان کردہ مسائل کو دیکھئے ان میں ہم نے عبادات سے زیادہ معاملات کے مسائل گنائے ہیں جنہیں قانون بننا ہوگا۔ پس اگر معاملات میں بھی اس قدر تضاد و اختلاف ہو تو مروجہ فقہی مذاہب کی کتابوں کو اسی صورت میں ملک کا عام قانون بنایا جا سکتا ہے جب کسی ملک میں دنیا بھر کے حنفی جمع کر دیئے جائیں اسی طرح شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ، اہلحدیث حضرات کو الگ الگ ممالک دیئے جائیں۔ تاکہ وہ اپنے قوانین نافذ کرنے کا تجربہ کر سکیں۔

جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہدایہ کی بنیاد بھی احادیث پر ہے ان کی آگاہی کے لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ بیشک اس کی بنیاد احادیث پر ہوگی مگر وہ احادیث ہیں کیسی؟ ذرا یہ بھی تو دیکھئے۔

ہدایہ میں وارد کردہ احادیث

علامہ اشرف بن طبیب حنفی فرماتے ہیں۔

"زندیقوں اور بدعتیوں نے بہت سی حدیثیں پیغمبر صلعم سے منسوب کر دی تھیں جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی تھی پس حنفی مذہب کی کسی کتاب میں کسی حدیث کا لکھا ہوا اس کے معتبر ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ متاخرین فقہاء علمائے ماوراء النہر ہوں یا علمائے خراسان و عراق یہ لوگ اپنی کتابوں میں حدیثیں تو لے آتے ہیں مگر حدیث کی کسی معتبر کتاب کا حوالہ نہیں دیتے حتیٰ کہ صاحب ہدایہ بھی جن پر حنفی مذہب کا دارومدار ہے یونہی کوئی بات حدیث کہہ کر لکھ دیتے ہیں مگر اکثر وہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملتے (تنبیہ الوسنان)

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں۔

الاتری الی صاحب الهدایه من اجلة الحنفیه والرافعی شارح الوجیز من اجلة الشافعیه مع کونهما ممن یشار الیهما بالانامل ویعتمد علیه الاماجد والاماثل قد ذکرا فی تصنیفهما مالم یوجد له اثر عند خبیر بالحدیث (الاجوبة الفاضلة)

"کیا بلند پایہ حنفی صاحب ہدایہ اور بلند مرتبہ شافعی شارح وجیز الرافعی کو نہیں دیکھتے کہ اگرچہ یہ دو ممتاز ہستیاں ہیں جن کی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں اور چھوٹے بڑے ان پر اعتماد کرتے ہیں مگر یہ لوگ بھی اپنی کتابوں میں ایسی اکثر احادیث وارد کر دیتے ہیں جو احادیث کی کتابوں میں ڈھونڈے نہیں ملتیں اور نہ ہی ان کی کوئی اصل ہوتی ہے"

شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں۔

اگر حدیثے آورده نزدِ محدثین خالی از ضعفی نہ غالباً اشتغال وقت آں استاذ در علم حدیث کمتر بود۔

(شرح سفر السعادت)

"مصنف ہدایہ جو حدیث بھی بیان کرتے ہیں محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں ہوتی غالباً ان کے زمانہ میں حدیث کا شغل بہت کم تھا۔"

امام احمد بن حنبلؒ تو یہاں تک کہہ گئے کہ

ھولاء اصحاب ابی حنیفہ لیس لھم بشئی من الحدیث ما ھو الا الجراۃ (قیام اللیل مروزی)

امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب کو حدیث کی کچھ تمیز نہیں وہ تو بس بیباکی ہی کرتے ہیں۔

فقہ کی دوسری کتاب کا بھی یہی حال ہے

ایک ہدایہ پر ہی کیا موقوف محققین نے تو بیان کیا ہے کہ فقہ کی تمام کتابوں کا یہی حال ہے۔ سنئے۔

ان الکتب الفقھیۃ وان کانت معتبرۃ فی انفسھا بحسب المسائل الفرعیۃ وکان مصنفوھا ایضا من المعتبرین والفقہاء الکاملین لا یعتمد علی الاحادیث المنقولۃ فیھا اعتمادا کلیا ولا یجزم بورودھا وثبوتھا قطعا بمجرد وقوعھا فیھا فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرۃ وھی موضوعۃ ومختلقۃ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ)

"فقہ کی تمام کتابیں جو اگرچہ فروعی مسائل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنف بھی معتبر فقہاء ہیں لیکن ان کی نقل کردہ تمام احادیث پر پورا اعتماد نہیں بلکہ یہ یقین بھی نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ہے بھی یا نہیں پس کسی حدیث کا ان کتابوں میں وارد ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں کیونکہ ان معتبر کتابوں میں بھی ایسی احادیث موجود ہیں جو موضوع و مختلف ہیں۔"

اور سنئے۔

فان اکثرھم لا یعرجون من الحدیث الا علی اقلہ وکا دیکا دون یمیزون صحیحہ وسقیمہ ولا یعرفون جیدہ من ردیہہ ولا یعبئون بما بلغھم منہ ان یحتجوا بہ علی خصومھم اذا وافق مذاھبھم التی ینتحلونھا ووفق آراءھم التی یعتقدونہا۔ (کتاب الانصاف مطبوعہ شرکت مطبوعات مصر ص۲)

"اکثر فقہاء حدیث بہت کم جانتے ہیں۔ انہیں صحیح وضعیف کی ذرا بھی پہچان نہیں ہوتی۔ اور حدیث عمدگی وغیر عمدگی سے ذرا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ جو روایت موافق مذہب اور مطابق مطلب ہو فوراً وارد کر لیا کرتے ہیں چاہے وہ کیسی ہی ہو۔"

یہاں سے آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ جن لوگوں کی نظر احادیث پر ہے وہ فقہ کو کس حقارت سے دیکھتے ہیں اور بڑے بڑے فقہاء پر کیسے عجیب و غریب الفاظ چسپاں کرتے ہیں گویا فقہائے کاملین حدیث کو نہیں محض اپنی ہوائے نفس اپنا رہنما بنا کر چلتے ہیں اور اپنے اعتقاد کی تائید میں جو کچھ بھی انہیں مل جائے۔ اسے دلیل بنانے سے نہیں ہچکچاتے اور اس کے مقابلہ میں صحیح سے صحیح حدیث سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں جو ان کے مطلب کے موافق نہ ہو۔ یہ کچھ تو محدثین کہتے ہیں اگر فقہاء سے پوچھیے تو وہ کہتے ہیں صحیح احادیث وہی ہیں جو ہماری کتابوں میں وارد ہیں ان کے سوا جو کچھ ہے وہ غلط ہے۔ ہم اُن حضرات میں سے کسی کو الزام نہیں دیتے ہم صرف علمائے دمشق[1] سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ "حضرات آپ جو ایک ہی سانس میں دو عجیب و غریب باتیں کہہ دیا کرتے ہیں کیا آپ نے کبھی ان پر غور بھی کیا؟ آپ ایک طرف فرماتے ہیں کہ قانون کتاب و سنت کے مطابق بنے اور پھر فرماتے ہیں کہ حنبلی فقہ کو یا مالکی فقہ کو نافذ العمل کیا جائے تو آپ کا مقصود کیا ہے سنت آخر کس چیز کا نام ہے؟ کیا وہی سنت ہے جو حنابلہ، شوافع، حنفیہ یا مالکیہ نے اپنا رکھی ہے یا وہ سنت ہے جو اہلحدیث حضرات پیش کرتے ہیں۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی اب پھر ہم موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چوری کی سزا

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اگر حنفی فقہ کو کسی ملک کے قانون کا درجہ دیا جائے تو کس قسم کی حدود کا نفاذ کن لوگوں پر ہوگا اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز چوری ہے۔
چوری کی سزا کے متعلق بہت سے عجیب و غریب مسائل ہم پہلے اُس عنوان میں بیان کر چکے ہیں جس میں ایسی مسائل ایسے ذکر کئے گئے ہیں جن سے اہل حدیث اختلاف کرتے ہیں۔ چوری کے بقیہ مسائل اب سُن لیجیے۔

۱- دینی کتابوں (مثلاً قرآن، حدیث، فقہ) کی چوری پر قطع ید نہیں (ج ۲۔ باب ما یقطع فیہ)
۲- بیت المال سے چوری کرنے والے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)
۳- خائن اور خائنہ پر حد نہیں۔ (ایضاً)
۴- اگر کسی مال میں چور کی شراکت ہو تو اس کی چوری پر بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے (ایضاً)
۵- کسی نے اگر کسی کو قرض دیا ہوا ہے وہ اپنے قرض کے برابر مقروض کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔ (ایضاً)
۶- کسی نے اگر ذی رحم کے گھر سے کسی غیر کا مال چرایا تو اس پر بھی قطع ید نہیں (ایضاً)

---

[1] اور ہم یہی سوال علمائے پاکستان کے سامنے رکھتے ہیں۔ (مترجم)

۷۔ مال غنیمت کے چور پر حد نہیں (ایضاً)

۸۔ کسی نے اونٹوں کی قطار میں سے ایک اونٹ یا اس کا بوجھ چرالیا تو اس پر حد نہیں (ایضاً)

۹۔ اس نے مسروقہ مال گھر سے باہر نہ نکالا ہو تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں (ایضاً)

۱۰۔ اگر کسی چور کا ہاتھ کاٹا جا چکا ہو اور مسروقہ مال کسی اور چور نے چرالیا ہو اور دوسرے چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں (ایضاً)

۱۱۔ اگر چور نے عدالت کی طرف جانے سے پہلے مال مالک کے حوالے کر دیا تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں (ایضاً)

۱۲۔ اگر لٹیروں میں بچہ یا پاگل یا مال کے مالک کا ذی رحم رشتہ دار شامل ہو تو دوسرے لٹیروں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی (ایضاً)

۱۳۔ چھیننے والے اور اچکے کے ہاتھ بھی نہ کاٹے جائیں۔

باقی مسائل کو ہم سر دست نہیں چھیڑنا چاہتے۔ اب ہم اس موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ "فقہ حنفی" کسے کہتے ہیں اور اس میں کن کن لوگوں کے اقوال شامل ہیں۔

فقہ حنفی کیا ہے:۔

فقہ حنفی میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(ا) مسائل اصول:۔ اس میں وہ تمام اقوال آجاتے ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد اور امام اعظم کے دوسرے شاگردوں سے منسوب ہیں۔

(ب) مسائل النوادر:۔ یہ بھی احکام انہی لوگوں کے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن انکی روایات ایسی ظاہر، صحیح اور ثابت نہیں جیسی قسم اول کی تھیں۔

(ج) مسائل واقعات:۔ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں بعد کے حنفی مجتہدین اپنی آراء و قیاسیات کو مدنظر رکھ کر متعین کیا۔ امام اعظم کے شاگردوں سے لے کر بہت نیچے تک ان مجتہدین کا سلسلہ چلا آیا ہے۔ گویا فقہ حنفی صرف امام اعظم ابو حنیفہ کے مسائل پر مشتمل نہیں بلکہ بہت بعد تک کے لوگ اس میں شامل ہیں۔ اور ان لوگوں کے بھی آپس میں وسیع اختلافات ہیں ہم حنفی فقہ کے ارکان اربعہ امام اعظم، امام محمد، امام ابو یوسف اور امام زفر کے اختلافات کا اجمالی خاکہ بیان کرتے ہیں۔ یہ اختلافات صرف وضو اور نماز کے مسائل میں ہیں جو سب ہدایہ جلد اول سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ارکان اربعہ کے اختلافات کا اجمالی خاکہ

امام اعظم	امام محمد	امام زفر	امام ابو یوسف
وضو میں کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض ہے	•	فرض نہیں ہے	•
تھوڑی سے قے کرنیسے وضو نہیں ٹوٹتا	•	ٹوٹ جاتا ہے	•
جو خون نکل کر دبہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا	•	ٹوٹ جاتا ہے	•
بلغم کی قے کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا	•	•	ٹوٹ جاتا ہے
اگر قے میں بہنے والا خون کم مقدار میں بھی نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے	نہیں ٹوٹتا	•	•
بوجہ شہوت منی نکل کر اپنی جگہ سے نہ بڑھے تو غسل فرض نہیں	•	•	غسل فرض ہے
وضو کا پانی ناپاکی دور نہیں کرتا۔	•	•	کر دیتا ہے۔
وضو کا مستعملہ پانی نجس ہے۔	نجس نہیں	•	•
اگر جنبی کسی کنوئیں میں سے ڈول نکالنے اترے تو غسل ساقط نہیں ہوتا	ساقط ہو جاتا ہے	•	•
جنبی کسی کنوئیں میں نکالنے اترے تو کنوئیں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے	ناپاک نہیں ہوتا	ناپاک نہیں ہوتا	•
جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب ناپاک ہے	پاک ہے	•	•
حلال جانوروں کا پیشاب بطور دوا پینا بھی حلال نہیں	حلال ہے	•	حلال ہے
بلی کا جھوٹا مکروہ ہے	•	•	مکروہ ہے
شکاری پرندے کی چونچ اگرچہ صاف ہو پھر بھی اسکا جھوٹا مکروہ ہے			مکروہ ہے
گدھے اور خچر کا جھوٹا نجس ہے	پاک ہے	•	•
کھجور کی نبیذ جو پکی ہوئی جھاگ والی ہو اس سے وضو جائز ہے	جائز نہیں	•	•
جنبی کو اگر نہانے سے سردی کے باعث مرجانے یا بیمار پڑنے کا خوف ہے تو تیمم کر سکتا ہے	جائز نہیں	•	جائز نہیں
کنکر پتھر ریت چونا ہڑتال گچ سرمہ وغیرہ سے تیمم کر سکتا ہے	جائز نہیں	•	نہیں ہوسکتا سوائے مٹی اور ریت کے

امام اعظم	امام محمد	امام ابویوسف	امام زفر
تیمم میں نیت فرض ہے	•	•	فرض نہیں
اگر کوئی عیسائی اسلام لانے کے لئے تیمم کرے تو اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔	•	پڑھ سکتا ہے	•
اگر کوئی مسلمان تیمم کر کے پھر مرتد ہو جائے پھر مسلمان ہو جائے تو تیمم باقی رہتا ہے۔	•	•	تیمم باقی نہیں رہتا
اگر کسی شخص نے سفر میں اپنے پاس پانی نہ ہونے وقت ساتھی سے مانگے بغیر تیمم کر لیا تو جائز ہے	جائز نہیں	جائز نہیں	•
محض جرابوں پر مسح جائز نہیں اگرچہ وہ بہت موٹی ہوں	جائز ہے	جائز ہے	•
گدلے رنگ کا پانی بھی حیض ہے اگرچہ اول دنوں میں ہو	•	حیض نہیں	•
کسی عورت کے ایک حمل میں دو بچے ہوں تو نفاس کی رات پہلے بچے سے شروع ہوگی چاہے دوسرا ایک ماہ بعد بھی پیدا ہوا ہو۔	یہ غلط ہے آخری بچے سے شروع ہوگی	•	آخری بچہ سے شروع ہوگی
مچھلی کا خون اگرچہ کپڑے کے بہت زیادہ حصہ پر لگا ہو نماز ہو جاتی ہے	•	نہیں ہوتی	•
جب تک ہر چیز کا سایہ دگنا نہ ہو جائے ظہر کا وقت ہے	سایہ برابر ہونے پر ظہر کا وقت ختم ہو گیا	برابر ہونے پر وقت ختم ہو گیا	•
جمعہ کے روز زوال کے وقت نوافل پڑھنا ناجائز ہے	•	جائز ہے	•
مؤذن کو اذان و اقامت کے درمیان بیٹھنا چاہیے سوائے مغرب کی نماز کے	مغرب کی نماز کے وقت بھی بیٹھنا چاہیے	مغرب کے وقت بھی بیٹھے	•
نماز میں عورت کی پنڈلی 1/4 حصہ سے کم کھلی ہو تو حرج نہیں اگر زیادہ کھلی ہو تو نماز دہرانی پڑے گی	•	1/2 سے زیادہ کھلی ہو تو بھی حرج نہیں	•
عورت کی شرمگاہ بھی اگرچہ چوتھائی سے زیادہ کھلی ہو تو نماز دہرانی پڑے گی چاہے قبل ہو چاہے دبر	•	نماز دہرانے کی ضرورت نہیں متذکرہ صورت میں نماز ہو جاتی ہے	•
فارسی میں نماز پڑھنا جائز ہے	ناجائز ہے	ناجائز ہے	•

امام اعظم	امام محمد	امام ابویوسف	امام زفر
امام ربنا لک الحمد نہ پڑھے	چپکے سے پڑھے	چپکے سے پڑھے	•
سجدے میں صرف ناک ٹکائی جائے تو سجدہ ہوگیا	نہیں ہوا	نہیں ہوا	•
ظہر کی دو رکعتوں کو برابر ہی پڑھے	پہلی رکعت دوسری سے لمبی پڑھے	•	•
بوڑھی عورتیں ظہر عشاء کے وقت مسجد نماز کے لئے نہیں آسکتیں	ظہر عصر میں بھی آسکتی ہیں	•	•
تیمم والے کے پیچھے وضو والا نماز نہیں پڑھ سکتا	پڑھ سکتا ہے	•	•
اگر پہلی دو رکعتیں پڑھے ہوئے امام نے پڑھائیں اور دوسری دو ان پڑھ نے تو سب نماز فاسد ہوگی	•	•	نماز فاسد نہیں ہوگی
جمعہ پڑھتے ہوئے عصر کا وقت آگیا تو نماز باطل ہے	باطل نہیں	باطل نہیں	•
امام اگر قرآن دیکھ کر نماز میں قرأت پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی	فاسد نہیں ہوگی	فاسد نہیں ہوگی	•

یہ محض ہلکا سا خاکہ ہے ان اختلافات کا جو فقہ حنفی میں قدم قدم پر ملتے ہیں یہ لوگ ابھی تک مسجد کے مسائل کو بھی سلجھا سکے دنیا کے مسائل کو سلجھانا تو بہت بعد کی بات ہے۔

امام اعظم کے اقوال میں تضاد

امام اعظمؒ فی الواقع بہت ہی عظیم الشان شخصیت تھے انہوں نے اپنے زمانہ میں قرآن حکیم کے مسائل اصول پر اپنے زمانہ کے مطابق جزئیات متعین کرنے کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف دنیا میں موجود نہیں رہی اور نہ ہی شاید انہیں انہیں تصنیف و تالیف کے کام سے دلچسپی تھی اسلئے ان کی طرف بہت سے غلط اقوال منسوب کر دیئے گئے ہیں ہدایہ ہی کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جس طرح احادیث میں اختلاف ہے اسی طرح امام اعظم کے اقوال میں بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم چند مختلف اقوال کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

وضو کے مستعملہ پانی کے متعلق صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ عن ابی حنیفۃ ھو طاہر (ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ پانی پاک ہے) اسی صفحہ میں ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ وقال ابو حنیفۃ ھو نجس (ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ پانی ناپاک ہے) (ہدایہ ج ۱ باب الماء الخ)

باب الانجاس میں لکھتے ہیں امام اعظم کا قول ہے کہ جب منی کپڑے پر سوکھ جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں امام اعظم کا فرمان ہے کہ منی کپڑے پر سوکھ جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔

باب الاذان میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے: وضو اقامت کہنا مکروہ ہے اسی صفحہ پر ہے کہ ایک روایت میں ہے امام اعظم بے وضو کہنے کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ میں اس عنوان کو بھی زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا آخر میں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ میں نے ہدایہ پر تنقید کی ہے۔ کتاب اللہ پر تنقید نہیں کی اس لئے مجھے کافر کہنے میں علمائے وقت ذرا تامل سے کام لیں اور میں ایک میں ہی اس جرم کا مجرم نہیں بلکہ خود حنفی حضرات نے بھی ہدایہ پر تنقیدیں لکھی ہیں سنیئے۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

فی طبقات القاری قد وقع فی کتاب الهدایه اوہام کثیرة قد نقلها العلامة الهمام الشیخ عبد القادر القرشی الحنفی فی کتاب المسمیٰ بالعنایه وله کتاب اوهام الهدایه (الفوائد البهیه صـ۲۲)

ملا علی قاری طبقات میں لکھتے ہیں کہ ہدایہ میں بڑی بڑی غلطیاں ہیں اور بہت سے اوہام ہیں۔ جنہیں علامہ عبد القادر القرشی حنفی نے اپنی کتاب عنایہ میں ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان کی مستقل تصنیف "اوہام الہدایہ" بھی ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں فقہ حنفی کچھ اور کتابوں کے متعلق بھی علمائے حنفیہ کی آراء بیان کر دی جائیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

فقہ حنفی کی دوسری کتابیں

لا یجوز الافتاء من الکتب المختصرة کالنهر وشرح الکنز للعینی والدر المختار شرح تنویر الابصار وشرح الکنز لملا مسکین وشرح النقایه للقهستانی، القنیه للزاہدی والاشباه والنظائر بها۔ لا یعتمد علی ابن نجیم ولا علی الفتاوی الطوری (رد المختار ج ۱ صـ۹۳)

فقہ کی مختصر کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں مثلاً نہر، شرح کنز للعینی، در المختار شرح تنویر الابصار شرح الکنز لملا مسکین، شرح النقایہ، للقہستانی، القنیہ للزاہدی، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ ابن نجیم اور فتاوی الطوری اعتماد کے لائق نہیں۔

مولانا عبد الحی لکھتے ہیں۔

ومن کتب الغیر المعتبرة فتاوی ابراهیم شاهی ومنها تصانیف نجم الدین مختار بن محمود بن محمد الزاہدی المعتزلی الاعتقاد حنفی الفروع کالقنیه والحاوی والمجتبی شرح مختصر القدوری وشرح الائمة غیر ذلک ومنها سراج الوهاج شرح مختصر القدوری ومنها مشتمل الاحکام لفخر الدین ومنها الفتاوی الصوفیه ومنها فتاوی ابن نجیم وفتاوی الطوری وخلاصة الکیدانی

(مقدمہ عمدۃ الرعایہ ج ۳)

فتاوی ابراہیم شاہی نجم الدین مختار بن محمود بن محمد الزاہدی کی تمام تصانیف جو فروع میں حنفی تھا لیکن اعتقاداً معتزلی تھا۔ قنیہ، الحاوی، مجتبیٰ شرح قدوری، زاد الائمہ وغیرہ اور سراج الوہاج شرح مختصر قدوری، مشتمل الاحکام لفخر الدین رومی۔ فتاوی الصوفیہ، فتاوی ابن نجیم۔ فتاوی الطوری اور خلاصہ کیدانی، یہ سب کتابیں غیر معتبر ہیں۔

فقہ حنفی صرف امام صاحب کے اقوال کا نام نہیں

اس عنوان کے تحت میں چند علمائے کرام کے بیانات نقل کر کے اپنی تنقید کو ختم کرتا ہوں۔

فقہ حنفی کے متعلق علامہ طحاوی لکھتے ہیں۔

" فقہ حنفی کی کتابوں میں صرف امام ابوحنیفہ کے ہی اقوال نہیں بلکہ معتزلہ، قدریہ، شیعہ، روافض، خوارج وغیرہ کے اقوال بھی ان کتابوں میں خلط ملط ہو گئے ہیں" (عقیدہ ابی حنیفہ رح)

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں

" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فقہ کی ان ضخیم اور طویل کتابوں میں جتنے مسائل ہیں وہ سب امام اعظم اور صاحبین کے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے فی الحقیقت یہ سب مسائل ان حضرات کے نہیں"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر)

شاہ صاحب فقہ حنفی کی کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

" بعض لوگوں کا گمان ہے کہ کتب فقہ مثلاً مبسوط، ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں جو لمبی چوڑی بحثیں اور اصول ہیں وہ حنفی مذہب کی بنا ہیں حالانکہ یہ خیال لاعلمی پر مبنی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ سب سے پہلے ان باتوں کو معتزلہ نے ظاہر کیا تھا جو بعد میں مذہب حنفیہ میں داخل ہو گئیں" (ایضاً)

صاحب منہاج السنۃ لکھتے ہیں۔

" فقہائے احناف نے حنفی مذہب کو معتزلہ، کرامیہ، کلابیہ وغیرہ باطل فرقوں کے اقوال سے متغیر دیا ہے"

(منہاج السنۃ ج ۳ صفحہ ۶۶)

امام صاحب کی طرف غلط اقوال بھی منسوب کئے گئے ہیں

فقہائے احناف نے حضرت امام اعظمؒ کی طرف غلط اقوال بھی منسوب کئے ہیں چنانچہ ایک یہ قول بھی امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ زانیہ جو اجرت وصول کرتی ہے وہ اس کے لئے حلال ہے۔

اس پر مولانا عبد الحی صاحب لکھتے ہیں۔

لا شبهة ان فی انتسابه الی الامام افتراء والرجم الیه اجتراء (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ)

بلاشبہ اس ناپاک قول کو امام واجب الاحترام حضرت ابوحنیفہ سے منسوب کرنا صریح بہتان اور کھلی تہمت ہے۔

سنت اور فقہ :-

اس طویل سمع خراشی کے باعث معذرت کرتے ہوئے ہم پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور علماء سے پوچھتے ہیں کہ کونسی فقہ کو سنت کیا جائے گا۔ حالانکہ حالت یہ ہے بقول شاہ ولی اللہ۔

ومن العجب العجیب ان الفقهاء المقلدین یقف احدهم علی ضعف ماخذ امامه بحیث لا یجد لضعفه مدفعا ومع ذلک یقلده فیه ویترک من شهد الکتاب والسنة والاقیسة الصحیحة لمذهبهم جمودا علی تقلید امامه بل یتحیل لدفع ظاهر الکتاب والسنة ویتاولهما بالتاویلات البعیدة الباطلة نضالا عن مقلده (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)

افسوس اور تعجب تو ان فقہا ئے مقلدین کے حال پر ہے کہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں انکے امام کی دلیل بہت ہی بودی ہے اور اس کے مقابلہ میں قرآن حکیم کی آیت یا صحیح حدیث یا بہترین قیاس موجود ہے پھر بھی تقلید کے بندھنوں میں جکڑا ہونے کے باعث اپنے امام کے مسئلہ کو ثابت کرتے ہیں تنگ جاتے ہیں اور ایسے مقامات پر بھی تقلید کو نہیں چھوڑتے بلکہ کتاب وسنت کو بہانے بنا بنا کر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

حرف آخر :-

خدا گواہ ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے خلوص اور نیک نیتی سے لکھا ہے یہ سب کچھ محض اس لئے کر رہا ہوں کہ اختلافات کے دلدلوں میں بھٹکنے والی قوم کو کتاب منیر کی طرف بلاؤں واللہ زور علم دکھانا میرا مقصود نہیں۔ اور اس تنقید میں بھی میں اپنے آپ کو معصوم نہیں سمجھتا۔ اگر مجھ سے کچھ خطا ہوگئی ہو تو اپنے اللہ سے معافی کا طلب گار ہوں

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون